فہرست مضامین

............❁❁❁............

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی اکابر علمائے اہلِ حدیث نے ملک میں نفاذِ اسلام اور اسلامی عقائد و اعمال کے تحفظ کے لیے ۲۴ر جولائی ۱۹۴۸ء کو تنظیمِ جماعت کے لیے ایک تاسیسی اجلاس منعقد کیا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اس تنظیم کا نام مرکزی جمعیت اہلِ حدیث ہوگا۔ اس کے بعد ملک کے مختلف حصوں اور اطراف و اکناف میں جمعیت کی شاخیں قائم کی گئیں، چنانچہ اسلام آباد میں اہلِ حدیث کی پہلی تنظیم جمعیت اہلِ حدیث اسلام آباد رجسٹرڈ کا الحاق مرکزی جمعیت اہلِ حدیث پاکستان کے ساتھ ۲ر جون ۱۹۶۸ء کو عمل لایا گیا۔ اس وقت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے ایک سرکلر کے ذریعے اس الحاق کی توثیق فرمائی تھی۔ الحاق کے بعد سے آج تک مرکزی جمعیت اہلِ حدیث اسلام آباد، وفاقی دارالحکومت میں اہلِ حدیث مکتبِ فکر کی نمایندہ تنظیم ہے جو تعمیرِ مساجد سے لے کر تبلیغی و اصلاحی پروگراموں کے ذریعے عوام الناس میں قرآن وحدیث پر مشتمل تعلیمات کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔

زیرِ نظر کتابچہ شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جماعت کے کارکنان و ذمہ داران اپنی علمی و فکری راہنمائی کے لیے اکابرین مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے رشحاتِ فکر سے مستفید ہوں۔ السّلفیہ پبلکیشنز کے قیام سے یہ اعزاز بھی ہمارے حصے میں آیا ہے کہ جماعت کے اشاعتی ادارے کی بنیاد بھی اسلام آباد کی جماعت کی طرف سے ڈالی جارہی ہے جس کے تحت مستقبل میں ہمہ اقسام کا جماعتی لٹریچر اسی ادارے کے تحت ہی شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

میں آخر میں امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث اسلام آباد حافظ مقصود احمد صاحب، ناظم اعلیٰ چودھری محمد یوسف سلفی صاحب اور دیگر ارکانِ کابینہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ جنہوں نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے اس اہم کام کی تکمیل میں حوصلہ افزائی فرمائی۔ مضمون کی فراہمی اور کتابچے کی اشاعت کے مراحل کو آسان بنانے پر ہم حافظ شاہد رفیق صاحب کے ممنون ہیں۔

چودھری ظہیر انبالوی

23 مئی، 2023 اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْن، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ. أَمَا بَعْدُ!

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ مسلک اہلحدیث کے ترجمان، تقریر وخطابت، تحریر و انشا اور درس و تدریس کے شہسوار تھے، اور جماعت اہلِ حدیث کے متعلق اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ پاکستان میں جمعیت اہلحدیث کے وہ پہلے ناظم اعلیٰ اور پھر امیر مرکزیہ کی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہوئے۔ اہلحدیث کانفرنس میں ان کی عموماً گفتگو حجیتِ حدیث، مقام حدیث، مسلک اہلحدیث، تاریخ اہلحدیث اور خدماتِ اہلحدیث کے عنوان پر ہوتی، اور اکثر و بیشتر ان کی تحریر کے عنوانات بھی یہی ہوتے۔

وہ جہاں ایک قادر الکلام خطیب تھے اس کے ساتھ ساتھ تحریر و انشا میں بھی ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ درس و تدریس اور جماعتی مصروفیتوں کے باعث وہ خواہش کے مطابق چنداں لکھ تو نہ سکے مگر جس قدر بھی لکھا اس کا نقش ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگیا، جس میں ثقاہت، زبان کی لطافت، بیان کی نزاکت اور سنجیدگی کا سب نے اعتراف کیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے نازک فقہی مسائل کو زیر بحث لاتے ہیں، ایک طبیب حاذق کی طرح نشتر بھی چلاتے ہیں مگر کہیں ٹیس محسوس ہونے نہیں دیتے۔ اپنے مخاطب کا بھرپور تعاقب کرتے ہیں مگر اس کے ادب و احترام کے منافی کوئی چیز نوکِ قلم پر نہیں لاتے۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَرَفَعَ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ، آمین.

زیرِنظر رسالہ ان کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو انھوں نے نصف صدی پہلے

''مسلک اہلِ حدیث اور تحریکات جدیدہ'' کے عنوان سے شیخ الاسلام فاتح قادیان امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہفتہ روزہ ''اہلحدیث'' میں لکھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ان کی قدر افزائی فرمائی اور اس کی پہلی قسط بطور اداریہ شائع کی۔ ابتدا میں یہ مضمون تین قسطوں پر مشتمل تھا جو اہلحدیث امرتسر جلد نمبر (۴۲) میں (۱۶، ۲۳، ۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ بمطابق ۲، ۹، ۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء) کو شائع ہوئے۔

موضوع کا عنوان ہی اپنے مندرجات کا پتہ دیتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''ایک اہلحدیث کو اہلحدیث جماعت میں رہ کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا چاہیے، جس کا میدان نہایت وسیع ہے۔ جدید وقتی تحریکات سے مل کر اپنی صلاحیتوں کو محدود کرنا کوئی مفید مشغلہ نہیں اور نہ یہ کوئی دانشمندانہ اقدام ہے۔ ان تحریکوں کے ساتھ ملنے سے انھیں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں مگر اندیشہ یہ ہے اہلحدیث فکر وعمل کو ضرور نقصان پہنچے گا، مداہنت پیدا ہوگی اور آہستہ آہستہ اپنا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔''

ظاہر ہے کہ ان کی اس پکار پر ردعمل تو ہونا ہی تھا، چنانچہ کسی دوسری جماعت میں داخل ہو کر کام کرنے والے بعض اہلحدیث نوجوانوں کو یہ بات ناگوار گزری تو جماعت اسلامی کے چہار روزہ اخبار ''کوثر'' لاہور میں، جو مولانا ملک نصر اللہ خان عزیز کی زیر ادارت نکلتا تھا، پہلے جناب حافظ محمد زکریا رحمہ اللہ نے ''مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ پر ایک نظر'' کے عنوان پر ۲۵ مارچ ہی کی اشاعت میں اس کی تردید کی۔ حافظ صاحب موصوف نامور محدث حضرت مولانا نیک محمد رحمہ اللہ جانشین حضرت الامام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے فرزند تھے۔ مسجد قدس اہلحدیث امرتسر میں ان کا قیام تھا۔ پاکستان کے بعد راولپنڈی میں آ کر فوت ہوئے۔

اس کے بعد ماہ اپریل کی تین اشاعتوں میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ نے مولانا سلفی رحمہ اللہ کے مضمون پر تعاقب کیا۔ حکیم صاحب ویرووال سے لائل پور (فیصل آباد) میں تشریف لائے۔ جامعہ تعلیمات اسلامیہ، جامعہ طبیہ ان کی یادگار ہیں۔ جون

۱۹۹۶ء میں انھوں نے انتقال فرمایا، ان دونوں کا جواب الجواب حضرت مولانا سلفی مرحوم نے اہلحدیث امرتسر میں دیا جو۴، ۱۱، ۱۸، ۲۵ مئی اور یکم جون ۱۹۴۵ء کی اشاعتوں میں شائع ہوا اور اس بحث کا حق ادا کر دیا۔ وللہ درہ!

مولانا سلفی مرحوم نے اس خاموش فضا میں جو صور پھونکا تھا اس میں بہتوں کا بھلا ہوا بلکہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ کے بارے میں جو پیش گوئی فرمائی تھی:

''آپ حضرات بجبر ایسے قالب میں فٹ ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں جو ہزار خوبی کے باوجود آپ کے لیے نہیں یا آپ خود بگڑیں گے یا قالب کو توڑ دیں گے۔''

بالکل سچی ثابت ہوئی۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ جماعت اسلامی کے تمام تر دفاع کے باوجود بالآخر اس سے ''بگڑے'' اور تنہا نہیں بلکہ ایک قافلہ سمیت بگڑے جس سے ''قالب'' میں دراڑیں پڑ گئیں۔

اس سلسلہ مضامین کے کچھ عرصہ بعد اہلحدیث امرتسر ہی کی چار (۲۳، ۳۰ نومبر ۴۵ء) اور (۷، ۱۴ دسمبر ۱۹۴۶ء) اشاعتوں میں ''مسلک اہلحدیث اور فریضہ اقامت دین، جدید تحریکات اور ہمارا موقف'' کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس میں مزید اپنے موقف کو منقح فرمایا، اور اس سلسلے کی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی۔ مسلکی جماعتی زندگی میں حضرت سلفی مرحوم کی یہ نگارشات آج بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

خادم العلم والعلماء
ارشاد الحق اثری
۲۔۱۰۔۹۸

............✻✻✻............

مسلک اہلِ حدیث اورتحریکاتِ جدیدہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ. أَمَّا بَعْدُ:

تاریخ کا ایک طالب علم مذاہب کے اختلاف اور مختلف فرقوں کے نشو ونما اور ان کے اسباب و دواعی پر اگر سنجیدگی سے غور کرے تو محسوس ہوگا کہ ائمہ حدیث نے جہاں فرقہ پرستی کے خلاف ایک مؤثر جہاد کیا وہاں خیالات کے اختلاف کی جائز حدود کا پوری طرح لحاظ رکھا۔ اصول و فروع میں حدود خلاف و اختلاف کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔ افراط وتفریط کی راہوں سے خود بھی بچے، دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کی۔ شکر الله مساعيهم!

اصول وفروع کے اختلافات میں وہ لوگ اعتدال کی راہ سے کبھی نہیں ہٹے، اصلاح و تجدید کی راہ میں سجن وتجلید تک کی مصائب برداشت کر لی گئیں مگر عشق کی سرشاریاں احتساب کی چیرہ دستیوں سے کبھی نہ دب سکیں۔ ان زبان وقلم کے بادشاہوں کو اگر محسوس ہوا کہ قلم کی اعانت کے لیے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھنا بھی ضروری ہے تو وقت کی اس آواز کو بھی پوری عزیمت سے اور خوشدلی سے قبول فرمایا۔ تاریخ کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ مسلم مبلغین کا سب سے پہلا قافلہ جو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ساحل ہند پر محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی قیادت میں اترا وہ ایسے ہی پاکیزہ نفوس پر مشتمل تھا جو جمود وتقلید کی ان پابندیوں سے بالکل آزاد تھے، جن کو آج کل سنت و بدعت میں فارق اور موجب امتیاز سمجھا جا رہا ہے۔

تحریک اہلِ حدیث ہند میں:

بارھویں صدی کا آخری حصہ رحمت الٰہی کا خصوصی دور معلوم ہوتا ہے، عرب وعجم

میں تحریک اصلاح وتجدید کا آغاز اس وقت ہوا۔عرب کی مشرکانہ رسوم اور بدعات اگر زمانہ فترت کی یاد کو تازہ کر رہی تھیں تو ہندوستان میں بھی مغل حکومت کے آثار قدیمہ جاہلیت سے کچھ کم نہ تھے۔ وقت کی آواز پر بعض اہلِ ہمت نے کام شروع کیا، کام کے مختلف شعبے تھے۔ اشاعتِ توحید، حدیث کی تدریس اور سنت کی علمی اور عملی اشاعت۔ یورپ سے آنے والے خطرات کا انسداد اور اندرون ملک کی غیر مسلم طاقتوں سے مناسب مقابلہ۔ شرک و بدعت کے خلاف یہ ضرب اتنی کاری تھی اور یہ آپریشن اتنا سخت تھا کہ اچھے اچھے اہلِ توحید بھی اس کی تاب نہ لا سکے۔

اخوانِ دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب مغفور کا مقام کتنا بلند ہے؟

تقویۃ الایمان کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَفِيْ مَحْقِ الرُّسُوْمَاتِ كِتَابٌ لِلشَّاه إِسْمَاعِيْل -رحمه الله تعالىٰ- سَمَّاهُ إِيْضَاحَ الْحَقِّ الصَّرِيْح، وَهُوَ أَجْوَدُ مِنْ كِتَابِ تَقْوِيَةِ الْإِيْمَانِ، فَإِنَّهُ يَحْتَوِيْ عَلٰى مَضَامِيْنَ عِلْمِيَّةٍ، وَكِتَابُهُ تَقْوِيَةُ الْإِيْمَانِ فِيْهِ شِدَّةٌ فَقَلَّ نَفْعُهُ حَتّٰى أَنَّ بَعْضَ الْجَهَلَةِ رَمَوْهُ بِالْكُفْرِ مِنْ أَجْلِ هٰذَا الْكِتَابِ" (فيض الباري: ١/ ١٧٠)

''رد بدعات میں شاہ صاحب شہید رحمہ اللہ کا رسالہ ایضاح الحق، تقویۃ الایمان سے بہتر اور علمی انداز سے لکھا گیا ہے۔ تقویۃ الایمان میں سختی زیادہ ہے، اس لیے اس کا فائدہ کم ہوا اور بعض جاہلوں نے اسی وجہ سے مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ پر کفر کا فتویٰ دے دیا۔''

مولانا انور شاہ صاحب وسعتِ نظر کے باوجود مقام تجدید کی اس رفعت کو نہیں پا سکے۔ ایضاح الحق میں جس گروہ کو مخاطب فرمایا گیا ہے وہ اور ہے، اور تقویۃ الایمان کا مخاطب بالکل دوسرا گروہ ہے۔ جن بیماروں پر تقویۃ الایمان کا عمل جراحی کیا گیا ہے وہ ایضاح الحق والوں سے بالکل جدا ہیں، اس لیے تقویۃ الایمان میں تخاطب کے لیے جو

زبان استعمال فرمائی گئی ہے وہ دوسری کتابوں میں استعمال نہیں فرمائی گئی، حالانکہ اس وقت تصنیف وتالیف کی عام زبان یا عربی تھی یا فارسی۔ مجدد وقت چونکہ علم کے بازار میں نمائش کے لیے نہیں آتا اس لیے نہ وہ علمی مصطلحات کی پرواہ کرتا ہے نہ فصاحت و بلاغت کی نمائش، بلکہ وہ اپنے مقاصد کی زبان سے بولتا ہے گو فرحین بالعلم اسے پسند نہ کریں!

حضرت شاہ صاحب نے عرب کی حرکتِ اصلاح کے قائد شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر بھی توجہ فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

"أَمَّا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ النَّجْدِيُّ فَإِنَّهُ كَانَ رَجُلًا بَلِيْداً قَلِيْلَ الْعِلْمِ فَكَانَ يَتَسَارَعُ إِلَى الْحُكْمِ بِالْكُفْرِ...الخ" (فيض الباري: ۱/ ۱۷۱)

"محمد بن عبدالوہاب کم علم اور کند ذہن تھا۔ تکفیر میں بڑا عجلت پسند تھا۔"

معاملہ یہاں بھی وہی ہے کہ حضرت شاہ رحمہ اللہ صاحب، محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے ان اصطلاحی مناقشات کی توقع رکھتے ہیں جو شاید کسی مدرس کے لیے بھی چنداں مناسب نہ ہوں۔ محمد بن عبدالوہاب اپنے سامنے ان مقاصد کو رکھتے ہیں جن کی تکمیل ان کو تفویض کی گئی تھی۔ اس "غبی" کو دیکھیے کہ اس نے پورے جزیرۃ العرب پر اپنا اثر ڈالا اور ایک دینی حکومت کی بنیاد ڈالی جو اپنے ماحول میں کافی اثر و رسوخ رکھتی ہے، اور ہماری ذکا و فطانت کا یہ حال ہے کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے بھی پوری ایک صدی مرنے والوں کے عیوب کی تلاش میں اپنے علم کی رفعت سمجھتے ہیں اور اپنے ماحول میں ذرا برابر بھی تبدیلی پیدا نہیں کر سکے۔

غرض توحید و سنت کی اشاعت میں اربابِ توحید کا حملہ اتنا سخت تھا کہ اس کی شدت سے حضرت شاہ رحمہ اللہ صاحب جیسا وسیع النظر بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔[1]

[1] کشمیر میں مولانا انور شاہ صاحب کے معتقدین نے ابھی تک "شیئاً للّٰہ" کا پڑھنا نہیں چھوڑا، کیونکہ موصوف نے اس کی حرمت کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ لاہور میں ایک دفعہ "شیئاً للّٰہ" کے جواز کا فتویٰ دیدیا جس پر بڑا چرچا ہوا۔ مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے مجھ سے بڑی خفگی کے لہجہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا، اس پر میں نے مرحوم کو خط لکھ کر دریافت کیا تو جواب آیا کہ میں ←

تقویۃ الایمان کی قلتِ منفعت کے متعلق شاہ صاحب نے یہ کیا فرمایا کہ اس کی وجہ سے جہلا نے مولانا اسماعیل شہید کی تکفیر کی؟ داعیانِ توحید میں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم تک کون ہے جس کی ان جہلا نے تعریف کی ہو؟ جب انبیا کا یہ حال ہے تو بے چارے سید شہید رحمہ اللہ کس قطار میں ہیں؟ رضي الله عنه وأرضاه

فیض الباری کی نسبت میں نے حضرت شاہ صاحب کی طرف اس لیے کی ہے کہ ناشرین کتاب نے اسے ان کی ذات گرامی کی طرف منسوب فرمایا ہے ورنہ کتاب میں چند ایک مباحث کے سوا کوئی ایسی خوبی نہیں۔ ''رسومات'' اور ''مضامین'' کے بالکل ہندوستانی پیوند ہیں، پوری کتاب میں یہی اندازِ تحریر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا تحت اللفظ عربی ترجمہ کیا گیا ہے۔ دراصل یہ مولوی بدر عالم رحمہ اللہ کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہے جسے شاہ رحمہ اللہ صاحب کے امالی کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ العرف الشذی بھی، جو ترمذی کے حواشی کے طور پر شائع ہوئی ہے، اسی قسم کا تبختر نہیں ہے؟ عفا اللّٰہ عنا وعنه وعن كافة المسلمين.

اہلِ حق اور دعوتِ حق کی راہیں:

اہلِ حدیث کا مسلک ایک حرکت تھی جو افراط و تفریط کے ہر دور میں پیدا ہوتی

← نے تو اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت گنگوہی کے اس میں دو قول ہیں۔ میں حقیقت سمجھ گیا اور ''اَلْجَوَادُ يَكْبُو'' کہہ کر خاموش ہوگیا۔ رحمه الله وعفا عنه. (مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ)

فیض الباری (۲/ ۴۶۶) میں علامہ کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وظیفہ پر اجر و ثواب نہیں تاہم دم کے طور پر نفع و فائدہ ہوتا ہے۔ (ملخصاً) مولانا تھانوی نے بھی صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لیے اس وظیفہ کے جواز کی گنجائش رکھی ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۳۵۲/۵) مگر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اس کے کسی صورت جواز کے قائل نہیں۔ بلکہ لکھتے ہیں: ''پڑھنے والا اس جملہ کا تقریباً اور شہرت دینے والا اس کے جواز کا اعتقاداً آثم بلکہ مشرک ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۹۴) اس کے بعد انھوں نے شاہ ولی رحمہ اللہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ارشاد الطالبین سے اس کے شرک و کفر ہونے کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ)

رہی، جس کے داعی ماحول سے بے نیاز ہو کر دعوت الی الحق کا فریضہ انجام دیتے رہے، نہ اپنی پرستش کرائی اور نہ حتی المقدور کسی کو بھٹکنے دیا۔ توحید و سنت کی دعوت کا ذکر اوپر مختصر ہو چکا ہے، یورپین تغلب اور رومن قوانین کے استبداد کا مقابلہ بھی اپنی بساط کے مطابق پوری بے جگری سے کیا گیا، اس راہ کی ساری صعوبتیں برداشت کر لی گئیں، جہاد و ہجرت جیسے امتحانات اس خلوص اور کامیابی سے برداشت کیے کہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی۔ جہاں تک میرا ناقص علم کام کرتا ہے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ روح بحمداللہ جماعت میں اب تک موجود ہے۔ ضعفِ قیادت، حالات کی ناسازگاری، اسباب و ذرائع کا فقدان جس طرح تمام دنیائے اسلام پر اثر انداز ہے اہلِ حدیث بھی اس سے محفوظ نہیں مگر یہ روح ناپید نہیں اور نہ ان شاء اللہ ناپید ہو سکے گی۔

ناصرینِ ملت مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی اور امام الاتقیاء حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری اور ان کے بہت سے رفقا اسی شمع کے پروانے تھے، ان کی زندگیاں اسی راہ میں ختم ہوئیں۔ ان کا وحید مقصدِ حیات یہ تھا کہ ہندوستان میں خلافتِ راشدہ اور قرون خیر کا نمونہ دیکھ سکیں، دنیا کی نبض پر اولیاء الشیطان کی بجائے عبادالرحمٰن کا ہاتھ ہو۔ آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کی تاسیس بھی انھی مقاصد کے لیے تھی جن کا تذکرہ اوپر ہوا، سو کانفرنس نے پروگرام کی تیسری شق کے متعلق بہت تھوڑا کام کیا اور شاید آئندہ بھی بہت ہی تھوڑا کام کر سکے لیکن اعیانِ اہلِ حدیث نے مختلف طریقوں سے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ مجلسِ خلافت، کانگرس، احرار میں یہ لوگ سابقین میں رہے، حضرت مولانا عبدالقادر قصوری رحمہ اللہ نے اتنا کام کیا کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے، بلکہ خاکسار تحریک جیسی لادینی تحریک میں ہمارے دوست اس جوہر کی تلاش میں گئے، ایک معقول طبقہ نے کانفرنس سے اس لیے بے اعتنائی برتی کہ اس کے لائحہ عمل میں مذہب کے اس شعبہ کو اہم حیثیت نہیں دی گئی تھی، اور یہاں یہ چیز خمیر میں سموئی گئی تھی کہ خدا و رسول کے سوا کوئی اطاعت قبول نہیں کی جائے گی ؎

أَتَظُنُّ سَلْمَى أَنَّنِي أَبْغِي بِهَا بَدْلًا
أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيمُ [1]

اس وقت بھی کانفرنس اگر پوری جماعت کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنے پروگرام میں اتنی وسعت کرنا پڑے گی کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں جماعت کی راہنمائی کرے، وعظ و مناظرات سے جو فائدہ ہوا ہے اس کے تحفظ کے لیے یہ ازبس ضروری ہے۔

اصلاحِ حال کی دو ناکام راہیں:

۱۸۵۷ء کے بعد اعیانِ جماعت کی یہ کوششیں بہت مختصر ہونے لگیں، حکومت کے استبداد نے اس راہ میں مشکلات کا ایک سمندر پیدا کر دیا، اس لیے بعض مصلحین نے بیعتِ توبہ اور عرفی تصوف کے ذریعہ اصلاح حال کی کوشش کی۔ خیال تھا کہ شاید اطاعت و انقیاد کی روح اس طریق سے محفوظ رہ سکے لیکن تجربہ نے بتایا کہ اس کی حیثیت بھی کرامت نمائی اور تعویذ گنڈوں کی دکان سے زیادہ نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کا پورا ہونا تو اپنی جگہ پر رہا اس سے شرک کے وہی جراثیم پیدا ہونے لگے جن کی تباہی نبوت کے اہم مقاصد سے ہے اور ہندوستان میں تحریکِ توحید کا سب سے بڑا شاہکار!

دوسری راہ بیعتِ امارت کی تھی، چونکہ حفظِ نظم کے لیے جس قوت کی ضرورت تھی وہ یہاں بالکل ناپید تھی، اس کا تجربہ مولانا رحیم آبادی نے زیادہ تر بنگال میں کیا مگر یہ نظام مقصد کے لحاظ سے چنداں مفید ثابت نہ ہوسکا۔ پنجاب اور دہلی میں یہ تجربہ اور بھی ناکام ثابت ہوا، یہاں امارت نے ایک پیشہ کی حیثیت اختیار کر لی، بعض نوجوانوں نے اسے زکوٰۃ خوری کے لیے ایک بہانہ بنالیا، مستحقین سے چھین کر غیر مستحق اسے اپنی شہوات کا ذریعہ بنا رہے ہیں، جو لوگ وعظ فروشی سے روٹی نہ کما سکے وہ امیر المؤمنین بن کر آرام سے گزر کرنے لگے۔ کون نہیں جانتا کہ کسی شخص کا نام امیر المؤمنین رکھ لینے سے شرعاً امارت کا منشا پورا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس بہانہ سے موتِ جاہلیت کی وعید سے بچا جا سکتا ہے!

[1] کیا سلمیٰ گمان کرتی ہے کہ میں اس کا بدل چاہتا ہوں، میرے خیال میں تو وہ گمراہی میں بھٹک رہی ہے۔

امارت خاصہ:

بعض ہمارے سادہ لوح دوستوں نے ایسی اختراعی امارتوں کو امارتِ خاصہ کا نام عطا فرمایا ہے اور اس سے استدلال کے گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت خواہشِ ملازمت[1] اور حضرت جعفر کی ہجرتِ حبشہ کی قیادت سے اگر شرعی امارت ثابت ہو سکے تو شاید کل کوئی من چلا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رسالتِ یمن سے ''رسالتِ خاصہ'' کی اصطلاح بھی وضع کرے تو کیا تعجب ہے؟ وَلَا مُشَاحَّةَ فِيهِ! لیکن غرض مقصد سے ہے نہ کہ الفاظ و مصطلحات کے اطلاق سے۔ استدلال کی سخاوت کا یہ عالم ہو تو استرجاع کے سوا کیا چارہ ہے؟ میری دانست میں اصلاح کی یہ راہ بھی تاحال ناکام ہے۔ لَعَلَّ اللّٰهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا.

ہمارے اسلاف اور ان کا طریقِ کار:

سیدی نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کے ترجمان وہابیہ، ابکار المنن، المقالۃ الفصیحہ وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل کی کیفیت کیا ہے اور ان کے ماحول کے مقتضیات کیا ہیں؟ کہیں دل کی کہنے کی کوشش فرماتے اور کہیں ماحول سے مجبور ہو جاتے ہیں لیکن مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی ماحول سے پورے متاثر ہیں، وہ اپنی کمزور پالیسی کی دعوت پوری قوت سے دیتے ہیں۔ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب۔ زَيْدَ مَجْدُهُ۔ ''اہلحدیث'' کے صفحات میں سنجیدگی سے بہت کچھ کہہ جاتے ہیں لیکن اس جماعت منجمدہ کے لیے یہ مسہل کافی نہیں، قوی مسہل چاہیے۔

جنگِ عظیم اور سیاسی تحریکات:

جنگِ عظیم کے بعد حکومت کی سیاسی مصالح کی وجہ سے ملک میں ایک ہیجان سا پیدا ہوا، رولٹ ایکٹ مارشل لاء کی وجہ سے ملک کی آنکھیں کھلیں، جو چیزیں چھپ چھپا کر کہی جاتی تھیں کھلے عام کہی جانے لگیں۔ فرق اتنا ہوا کہ جس چیز کے لیے بیرون

---

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٣٣)

ہند پر نگاہیں لگی ہوئی تھیں اس کے لیے اندرونِ ہند میں کئی جماعتیں بن گئیں، کئی سیاسی جماعتیں کھلے طور پر ملک میں کام کرنے لگیں، اہلِ حدیث عمائد اور عوام ان اداروں میں کام کرنے لگے، خالص تبلیغی جماعتوں کو چھوڑ چھاڑ کر ان سیاسی مراکز میں پیش پیش نظر آنے لگے، آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس اپنے نہج پر کام کرتی رہی، اور سیاسی مزاج کے لوگ مختلف اداروں میں چلے گئے۔

اس مخلصانہ تگ و دو سے ہمارے اہلِ حدیث نوجوانوں میں بے تدبر بھاگ دوڑ طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، کوئی تحریک شروع ہو یہ حضرات اس کے لیے چشم براہ ہوتے ہیں، ادھر تحریک شروع ہوئی ادھر یہ حضرات اس میں کود پڑے۔ میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ بعض مخلص اہلِ حدیث خاکسار تحریک میں شامل ہوئے اور چپ و راست کا وظیفہ کرنے لگے، حالانکہ یہ تحریک لادینی ہونے کے علاوہ اس میں اساسی طور پر کوئی ایسی چیز نہیں جو ایک اہلِ حدیث کے لیے جاذب ہوسکے۔ مجھے اپنے نوجوان دوستوں کے خلوص اور حسنِ نیت پر کوئی شبہ نہیں، مجھے ان کی قوتِ عمل پر بھی کچھ اعتراض نہیں، اعتراض صرف ان کی قوتِ فکر پر ہے۔ رنج صرف یہ ہے کہ ان تازہ دماغوں میں عاقبت اندیشی کا مادہ کیوں نہیں؟ وہ کام کرنے کے بعد کیوں سوچنا شروع کرتے ہیں؟ کام سے پہلے کیوں نہیں سوچتے؟

لاہور احرار کانفرنس:

لاہور کی احرار کانفرنس میں چونیاں اور علاقہ فیروز پور کی اہلِ حدیث جماعتیں جو مولوی عبدالرحیم صاحب وغیرہ کی قیادت میں شریکِ اجلاس ہوئیں، صدر کا جلوس فوجی بینڈ کی تانوں میں نکل رہا تھا۔ ہمارے اہلِ حدیث نوجوانوں کے جنود جھوم جھوم کر کبھی جلسہ کے انتظامات کو سرانجام دیتے تھے اور کبھی مطبخ کی خدمت کرتے تھے، اور ہم جیسے قدامت پسند ندامت سے زمین میں دھنسنے کی سوچ رہے تھے، اور ہمارے یہ نوجوان

دینی بھائی ہمیں اس نفرت سے دیکھتے تھے کہ شاید ہم آزادیٔ ہند کے بدترین دشمن ہیں اور نہایت ہی تنگ خیال! مگر دراصل یہ نوجوان اور تازہ دماغوں کی لغزش تھی، آزادی ہند جلوسوں اور بینڈوں سے نہیں ہوتی اس کے لیے خون کی ندیاں درکار ہیں، اور اس سے پہلے مضبوط دینی نظم جو کتاب و سنت کی روشنی میں مرتب ہوا ہو، یہ سارا خواب افسانہ ہو کر رہ گیا۔ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اس کے بعد یہ نامی مجاہدین اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، اپنے کاروبار میں مشغول ہوگئے، اور کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا محمد علی لکھوی نے مدینہ منورہ کی راہ لی، مولانا محمد داود صاحب غزنوی احرار سے الگ ہوگئے۔ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند[1]

مخلص دوستوں کے نظم و اطاعت کے تمام جوہر دوسرے اداروں میں جا کر ظاہر ہوئے اور اپنی جماعت میں کارکن مفقود! اپنے اداروں میں ہم لوگ یوں بیگانہ ہوگئے، اور جس کان نمک میں ہم گئے وہاں بھی نمک بننا نصیب نہ ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دوسری جماعتوں میں ہم بہتر کارکن ثابت ہوتے، مالی اور جانی ایثار کے لیے ہم بے نظیر سمجھے جاتے ہیں لیکن اپنے معاملہ میں بخل، بزدلی، سوءظن، عدم اطاعت ہمارے وہ خواص ہیں جن میں ہمارا کوئی شریک نہیں۔ یہاں گوجرانوالہ میں میرے ایک مخلص دوست ہیں جن کے حسنِ نیت اور صحتِ عقیدہ پر مجھے کوئی شبہ نہیں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ وہ صبح سوشلسٹ ہیں تو رات احراری، آج خاکسار ہیں تو کل جماعت اسلامی کے عاشق۔ غرض کندھے سے کبھی بستر رکھتے نہیں اور دو متضاد عقیدوں سے ہر ایک کو وہ اتنی جلدی قبول کرتے ہیں جسے عقل قریباً ناممکن سمجھتی ہے۔ اپنے نوجوان دوستوں سے گزارش ہے کہ حریتِ فکر کا یہ واقعی تقاضا ہے کہ آپ ہر تحریک پر غور کریں لیکن رخت

[1] وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور وہ پلانے والا نہ رہا۔

سفر باندھتے ہوئے اور ہم سے جدا ہوتے ہوئے ذرا اپنا موقف دیکھیں اور انجام پر صحیح غور کریں، غالبًا جس گوہر نایاب کی تلاش میں آپ خانہ بدوش ہو رہے ہیں وہ آپ کو اپنی جماعت میں بھی مل سکے گا اور شاید زیادہ آبرو سے!

جماعتِ اسلامی اور اہلِ حدیث:

خاکسار تحریک کی جگہ اس وقت بتدریج اسلامی تحریک لے رہی ہے۔ کانگرس، لیگ، سوشلزم کے متعلق مولانا ابوالاعلیٰ نے اچھا اور مفید لٹریچر شائع کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہمارے دوست پٹھان کوٹ کے لیے پا بر کاب ہیں بلکہ بہت سے حضرات وہاں پہنچ چکے ہیں۔ مولانا نے رجب تا شوال کے ترجمان میں غالبًا بہت تنگ آ کر فرمایا:

> ''بجائے اس کے کہ آپ مجھے اپنے طریق پر کھینچیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ خود اپنی جگہ بہت ٹھنڈے دل سے تحقیق کر لیں کہ آیا فی الواقع سنت کی پیروی کی وہی شکل صحیح ہے جو اہلِ حدیث حضرات نے اختیار کی ہے؟''

معلوم نہیں مولانا مودودی صاحب کس خاص شکل کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں؟ جہاں تک دیانت کا تعلق ہے ہم لوگ کوئی دکانداری نہیں کر رہے بلکہ سنت کی جو صحیح صورت سمجھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ بلکہ ''رسائل و مسائل'' کے باب میں مولانا نے جو کچھ تقلید و عدم تقلید کی بحث میں فرمایا ہے قریباً وہی اہلِ حدیث کا مسلک ہے۔ اپنی انفرادی حیثیت کو قائم رکھنے اور اس کے لیے پروپیگنڈا کرنے کے لیے جس لب و لہجہ کی ضرورت ہے اسے علیحدہ کرنے کے بعد مجھے اہلِ حدیث کے دیرینہ خادم ہوتے ہوئے اس سے کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ تعجب ہو رہا ہے کہ جب خیالات کی یہ کیفیت تھی تو الگ جماعت بنانے سے کون سی مصلحت پیش نظر رکھی گئی ہے؟ جہاں تک میری رائے ہے اگر مولانا غور فرماتے تو بڑی آسانی سے اہلحدیث میں سما سکتے تھے مگر مصالح کا تقاضا یہی ہوا کہ الگ حلقہ ہی کام کے لیے زیادہ مناسب

ہے۔ تو میں اہلِ حدیث دوستوں سے عرض کروں گا کہ وہ مولانا کو کھینچنے اور دق کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اپنی جماعت میں رہ کر تعاون علی البر کا فریضہ ادا کریں۔ اگر آپ اپنی ساخت کے لحاظ سے ایک قالب میں فٹ نہیں آ سکتے تو قالب کو توڑنے کی کوشش نہ کیجیے، پا بر کاب ہونے کی بجائے یہیں اپنی اور اپنے اداروں کی اصلاح کریں اور اس شدرحال کی عادت کو چھوڑ دیجیے۔

آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس میں آپ کی توجہ سے بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے، تعطل کی صورت جو اس وقت بظاہر نظر آ رہی ہے اس کی ذمہ داری بہت حد تک مخلص کارکنوں کے فقدان پر ہے، ہر صوبہ میں کام کے لیے بڑا وسیع میدان ہے، اس لیے میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ آپ دوسری تحریکات کی طرف بھاگیں، وہاں جا کر ڈیڈ لاک پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اہلِ حدیث کی حرکت کا پہلا یہ اثر ہوا تھا کہ رسمی احناف اور اہلِ حدیث کے

معلوم نہیں مولانا کی لفظ ''تفصیلات'' سے کیا مراد ہے؟ جہاں تک وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے اہلِ حدیث نے اپنی فروعی تفصیلات کے لیے پابندی کی کبھی دعوت نہیں دی، دیانتاً جو سمجھ میں آیا اس پر عمل کرنے سے جو شورش و ہیجان کی صورت پیدا ہوئی تو مدافعت ضرور کی گئی اور اس مدافعت سے شاید کوئی تحریک بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ مناظرات سے کتنا ہی بھاگے اس کی کوئی نہ کوئی صورت سامنے ضرور آ جائے گی، بلکہ مخصوص اجتہادی مسائل میں تنگ ظرفی کے خلاف اہلِ حدیث نے ہندوستان میں بہت حد تک کوشش کی۔ اور مولانا سے زیادہ اسے کون جانتا ہوگا؟ معلوم نہیں مولانا کو اس کے اظہار کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی جبکہ جماعت کا یہ مقصد ہی نہیں اور نہ اس کے لیے دعوت؟!

موجودہ پروگرام:

جماعت اسلامی کے موجودہ پروگرام کا اس وقت جہاں تک علم ہوسکا ہے اچھے سلجھے ہوئے دماغوں اور پاکیزہ روحوں کی تلاش کے سوا کچھ نہیں، ارواح و ادمغہ کے لیے ایک موزوں اکتشافی ادارہ ہے، اگر اچھے دماغ اور پاکیزہ روحیں اسی مقدار میں مہیا ہوگئیں جو نظامِ باطل کے ساتھ ٹکر لے سکیں تو شاید ایسا کسی وقت ہوجائے، ورنہ وہ نہایت اچھا لٹریچر شائع فرما رہے ہیں، اور اگر وہ اسی قدر پر کفایت فرما دیں تو یہی ضرورت کی چیز ہے اور بہت کافی۔ توحید وسنت کے متعلق جو کچھ مولانا شائع فرما رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ برسوں پہلے اہلِ حدیث کہہ چکے ہیں، اور نظام باطل کے ساتھ لڑنے کے لیے نہ ان کے پاس کوئی خاص سامان ہے نہ اہلِ حدیث کے پاس، البتہ طریق کار اور پروپیگنڈا میں ایسی غلط روش نہیں ہونی چاہیے جس سے خواہ مخواہ عناد کی روح پائی جائے۔

''کوثر'' ۲۱ جنوری میں مولوی حکیم اشرف صاحب ویرووالی کا ایک مضمون ''مولوی فاضل کی تیاری'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے، مضمون کے الفاظ اور ظاہری مطلب سے اختلاف نہیں، جس ذہنیت کی بو اس میں پائی جاتی ہے وہ ''كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا

الْبَاطِلُ"[1] کی زندہ مثال ہے۔ جہاں بھی مناظرات ہوتے ہیں اور غیر مسلم ثالثوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں رفعِ نزاع کے لیے یہ ایک حیلہ ہوتا ہے جسے خوشی سے منظور نہیں کیا جاتا۔ اس کی صورت ایسی ہے جیسے قرآن حکیم نے سورۂ مائدہ میں غیر مسلم کی شہادت کو منظور فرمایا ہے جب مسلم نہ مل سکے۔[2] اب اس پر عمارت کھڑی کر دی جائے کہ فلاں صاحب نے غیر مسلم کو گواہ بنا لیا! میں چاہتا ہوں کہ اگر مولوی حکیم اشرف صاحب کے خیالات بدل چکے ہیں تو کوئی حرج نہیں، اولاً ان کو اس کا کھلے طور پر اعلان کرنا چاہیے، ﴿مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ﴾ کی صورت نہیں رکھنی چاہیے، اس سے اپنے اور غیر دونوں دھوکے میں رہتے ہیں اور کچھ چڑ بھی پیدا ہوجاتی ہے، نئی جماعت کو آپ کے آنے سے فائدہ ہوگا اور آپ کے پرانے رفیقوں کو کوئی خاص خسارہ نہ ہوگا۔

اسی طرح برادر محترم عزیز صاحب نے ۱۲ فروری ۴۵ء کے "کوثر" میں ایک شذرہ تحریک سید احمد شہید کے عنوان سے لکھا، جس کے آخر میں فرماتے ہیں:

> "موجودہ دور میں اہلِ حدیث حضرات نے خدا اور رسول سے کچھ فیصدی پر سمجھوتہ کر لیا ہے کہ اتنی فیصدی کتاب و سنت کے لیے اور باقی نظام باطل کے لیے۔"

خدا ہی جانتا ہے کہ ہم نے نظام باطل کے ساتھ کہاں تک سمجھوتہ کیا ہے اور نظام باطل کہاں تک ہم پر خوش ہے؟ البتہ نظامِ باطل کو اتنا تھکایا ضرور ہے کہ آئندہ سمجھوتہ کرنے والوں کے لیے راستہ صاف ہوجائے، حالانکہ حضرت عزیز نے بھی نظام باطل سے تاحال "کوثر" کے ڈکلریشن اور "کوثر" کے لیے ٹکٹوں ہی پر سمجھوتہ کیا ہے، تو پیں ابھی وہاں بھی نہیں داغی گئیں۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۶۶) دراصل یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو انھوں نے خوارج کے حق میں کہا تھا جب انھوں نے قرآن مجید ہی کو حاکم بنانے کا حیلہ ظاہر کیا۔

[2] المائدۃ [آیت: ۱۰۶]

میری گزارش کا مقصد یہ ہے کہ تیر ونشتر کے طنزیہ فقرات تبلیغ کا اسلامی طریقہ نہیں، قرآن عزیز نے ﴿ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴾ [القلم: ١٦] ﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴾ [الجاثية: ٧] ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [الكافرون: ١] کی کھلی راہ کو مذموم نہیں سمجھا لیکن لمز و ہمز کی راہ اور اس طریقہ تبلیغ کے لیے ویل فرمایا ہے۔ اس لیے مقصد یہ ہے کہ پروپیگنڈا کے لیے کوئی بہتر صورت اختیار کی جائے تاکہ آپس میں چڑ کی صورت نہ پیدا ہو۔ ورنہ عزیز صاحب یقین فرمائیں دل ان کے ہاتھ نہیں ہیں وہ صرف قلم کے مالک ہیں۔ والسلام

............❊❊❊............

حافظ محمد زکریا اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے جواب میں

چند دن ہوئے میں نے ایک مضمون اس سراسیمگی سے متأثر ہو کر لکھا تھا جو نوجوانوں میں جدید تحریکات کے متعلق پائی جاتی ہے۔ یہ حیرت آمیز اور غیر فکری تگ و دو عام مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن میں نے صرف اہلِ حدیث نوجوانوں کو مخاطب کیا تھا، میرا خیال تھا ان لوگوں میں قبولِ حق کے لیے فکری صلاحیتیں نسبتاً بہتر ہیں، شخصی افکار کے لیے ان کے خمیر میں چونکہ عصبیت اور ضد نہیں اس لیے ان کے دماغ ایک حد تک صاف ہیں۔ اپنے طبعی رجحانات کے لحاظ سے بھی مجھے چونکہ جماعت اہلِ حدیث ہی سے تعلق ہے اس لیے میں نے سمجھا کہ اپنے بھائیوں پر حرف گیری کا مجھے کچھ حق ہے، باقی مسلمان امید ہے کہ "اَلْعَاقِلُ مَنِ اتَّعَظَ بِغَيْرِهِ"[1] پر عمل کریں گے۔

مقصد یہ تھا کہ قبول حق کے لیے آمادگی اچھی چیز ہے لیکن عواقب سے بے فکری اور وقتی تحریکات میں غیر شعوری آمد و رفت مستقبل میں اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے، اس لیے قوتِ فکر کے استعمال کی عادت سیکھنی چاہیے۔

فاضل مدیر ''اہلحدیث'' نے اسے سب میری ذمہ داری پر شائع فرما دیا۔ آج مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۶۴ھ کے ''کوثر'' میں محترم حافظ زکریا صاحب نے اس کے متعلق متانت اور سنجیدگی سے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، اور بقول محترم مدیر ''کوثر'' میری غلط فہمی رفع فرمانے کی کوشش فرمائی۔ لِلّٰهِ دَرُّهُ وَعَلَى اللّٰهِ أَجْرُهُ.

[1] یعنی عقل مند وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر ہی نصیحت حاصل کر لے۔

اظہارِ خیال میں جس شرافت اور سنجیدگی کا ثبوت دیا گیا ہے اس کے لیے اپنے محترم مخاطب کی فطری صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس ماحول کا بھی شکر گزار ہوں جس میں ان کی تربیت ہوئی، میرے سطحی خیالات پر انھوں نے پوری دقتِ نظر سے غور فرمایا۔

تحریکات کے متعلق میرا خیال:

اصل مقصد خدمتِ اسلام ہے، اصلاحی تحریکات ذیلی اور ضمنی سفر ہیں جنھیں ناگزیر حالات میں اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ان کا ظہور اور عروج بلکہ نشو ونما محض اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توجہ پر موقوف ہے، جب زمین میں مفاسد بڑھنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ بعض نیک دل لوگوں کے دل میں ڈال دیتا ہے، وہ اصلاح کے لیے میدان میں آجاتے ہیں، نجد میں وہابی تحریک، الجزائر اور تیونس میں سنوسی تحریک، جمال الدین افغانی کے سنہری کارنامے اور ہندوستان میں سید شہید کے اعمال صالحہ اس کے کھلے نظائر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے کمزور آدمیوں کو کن ناخوشگوار حالات میں کام کی توفیق عطا فرمائی؟

تحریک کبھی اپنا پروگرام مکمل کرنے کے بعد خود بخود ختم ہوجاتی ہے، کبھی اس کے پروگرام کی جامعیت اس کو مستقل حیثیت عطا کر دیتی ہے، کبھی ناخوشگوار حالات اس کی راہ کو روک دیتے ہیں، ان میں وہ عوارض بھی شامل کیے جاسکتے ہیں جن کا ذکر محترم نقاد نے اپنے ارشادات میں فرمایا ہے۔ ہر تحریک کا ہمیشہ زندہ رہنا ضروری نہیں لیکن اس کی قبل از وقت موت ناخوشگوار خطرات کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے، اس لیے اگر حوادثِ روزگار کسی تحریک کو قبل از وقت ختم کرنا چاہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان ناہموار حوادث کا مقابلہ کریں اور تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ یہ میرے ذاتی خیالات ہیں معلوم نہیں کہ فلسفۂ اجتماع کا اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے؟

میرا پختہ یقین ہے کہ حوادثِ زمانہ تحریک اہلِ حدیث کو قبل از وقت ختم کر دینا چاہتے ہیں، میرے اہلِ حدیث دوست اس غلطی میں زمانے کی اعانت فرما رہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ زمانے سے جنگ کی جائے، زمانہ اس کے خلاف جن سازشوں سے

کام لے رہا ہے انہیں ناکام بنا دیا جائے، وقت کو مجبور کیا جائے کہ وہ ہمارا ساتھ دے، فلسفہ اجتماع کے قوانین اگر ہمارے حق میں نہیں ہیں تو ہم نظیر قائم کریں کہ یہ قوانین جب حق سے متصادم ہوں تو انھیں بدلا جا سکتا ہے، ہمیں ایک نجومی کی موت نہیں مرنا جو ستاروں کی حرکات کو اپنے خلاف دیکھ کر قبل از وقت مرنا شروع کر دیتا ہے!

اہلِ حدیث سے کیا مراد ہے؟

اس عنوان کے ماتحت حافظ زکریا صاحب نے جو تعریف فرمائی ہے اگر وہ طباعت کی اغلاط سے محفوظ ہے تو وہ معنی خیز تعریف نہیں یا کم از کم میں اسے نہیں سمجھ سکا۔ مسلک کی تعریف میں افراد کا کامل نظریہ، سو اس کی تشریح عمل بالحدیث کے ساتھ، نہ یہ منطقی تعریف ہے، نہ عرفی، نہ یہاں پر کسی فنی تعریف کی ضرورت ہی ہے۔ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ فرماتے ہیں ''اہلحدیث نے اچھا کام کیا'' آپ بھی فرماتے ہیں کہ فقہ اور حدیث کی کتابوں میں ''اہلِ حدیث'' کے لفظ موجود ہیں، میں بھی اسی موہوم چیز کی حمایت میں گزارش کر رہا ہوں۔ اب آپ فرماتے ہیں کہ ''اہلِ حدیث سے کیا مراد ہے؟'' ع

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

واقعی اگر جناب خالص اہلِ حدیث ''ماحول میں پرورش'' پانے کے باوجود اہلِ حدیث کو نہیں سمجھ سکے تو ''حجة الله البالغة'' (١/ ١٤٧۔ ١٥٢ بَابٌ، اَلْفَرْقُ بَيْنَ أَهْلِ الرَّأْيِ وَأَهْلِ الْحَدِيْثِ) کا مطالعہ فرمائیں۔ ابن حزم کی اِحکام میں سنت کی بحث پڑھیں، شیخ الاسلام ابن قتیبہ دینوری کی کتاب ''تأويل مختلف الحديث في الرد على أعداء أهل الحديث'' کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیں، ابن عبدالبر کی ''جامع بيان العلم و فضله'' کے بعض ابواب دیکھیں، الموافقات کی جلد ثالث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی مانع نہ ہو تو والد خود حضرت مولانا نیک محمد صاحب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

مختصر یہ ہے کہ مسلک اہلِ حدیث میں استنباطِ مسائل کے لحاظ سے نصوص کتاب وسنت کو اولی مرتبہ حاصل ہے، فہمِ نصوص میں سلف یعنی صحابہ کے طریق کا التزام ضروری ہے، اشخاص اور افرادِ امت کے طریقِ فہم کو یہاں کوئی اساسی حیثیت حاصل نہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نہ یہاں تقلیدی جمود ہوگا اور نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے لیے عصبیت، عوام علما کی طرف اسی نکتہ سے رجوع کریں گے اور علما کا مطمح نظر نصوص کتاب وسنت ہوگا، اب آپ خود فیصلہ فرما لیں کہ یہ تحریک قائم بالذات ہے یا قائم بالغیر؟ ع

ہمینست بنیاد تحریک و بس[1]

اس تجزیہ کے بعد ناممکن ہے کہ کوئی باطل نظام تحریک کے ساتھ ساز گار ہو سکے بلکہ ہر ایسا آئین جو کتاب وسنت کی روشنی میں نہ بنایا گیا ہو اسے درست کرنا یا بدلنا قطعی طور پر ضروری ہوگا، جیسے تحریک کا ماضی اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے، اور جب تک جمود اور شخصی عصبیت دنیا میں موجود ہے نظام باطل اپنی سیاہ کاریوں کے ساتھ دنیا پر مسلط ہے، تحریک کو نہیں مٹنا چاہیے اور نہ ان شاء اللہ مٹے گی، اور قدرت اسے بے وقت ناپید نہیں ہونے دے گی۔ اس لیے میں نے اپنے نوجوان دوستوں سے اپیل کی تھی کہ کود پھاند کی عادت سے تحریک کا خون ناحق اپنے سر پر نہ لیں اور نہ ہر روز نئی قیادتیں پیدا کرنے کی کوشش ہی کریں بلکہ جزوی اختلافات کے باوجود پہلی بنیادوں پر تعمیری کوشش کریں۔

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۰۸]

اس وقت آپ کی یہ حالت ہے:

إِذَا مَا رَأْيَةٌ رُفِعَتُ لِقَوْمِ
تَلَقَّاهَا عَرَابَةُ بِالْيَمِينِ

[1] صرف اور صرف یہی تحریک کی بنیاد ہے۔

"کوئی قوم جھنڈا جب کھڑا کرے تو عرابہ اس کی حمایت کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔"
یہ اس چیز کی دلیل ہے کہ دماغی توازن صحیح نہیں۔

محرکات اور مہیجات کا فقدان:

اگر واقعی تحریک ان مہیجات اور محرکات سے خالی ہوچکی ہے جو کسی جماعت کو مضبوط اور وحدت کی حیثیت سے قائم رکھ سکتے ہیں تو اس آڑے وقت میں ہمیں پوری وفاداری سے جماعت میں ان خصائص کو پیدا کرنا چاہیے جو اسے سوسائٹی میں ایک معزز رکن یا اہم عنصر کی حیثیت سے قائم رکھ سکیں۔ نوجوان دماغ جس بھاگ دوڑ کے عادی ہو رہے ہیں ان کی مثال اس ناشکر گزار پرندے کی ہوگی جو موسم بہار میں درخت کے پھلوں اور سایہ سے فائدہ اٹھائے لیکن خزاں ہوتے ہی آشیانہ کے لیے سرسبز ٹہنیوں کی تلاش میں بھاگنا شروع کردے۔

جماعتی ذہن دراصل افراد کے ذہن کی ترقی یافتہ اور ممتزج شکل ہے، اگر افراد ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوں تو جماعتی ذہن کی شکایت اپنی شکایت ہی کے مترادف ہوگی، اس لیے آپ جیسے مخلص احباب سے یہ امید بے جا نہ ہوگی کہ جماعتی ذہن کو پیدا کرنے اور ان محرکات کو واپس لانے میں اپنی کوششوں کو صرف کریں جن کے زائل ہونے سے یہ خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ یہ گزارش جناب کے مفروضہ کو تسلیم کرنے کے بعد کر رہا ہوں ورنہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حالات کے جائزے میں دقتِ نظر کا ثبوت نہیں دیا گیا، حالات اس قدر مایوس کن نہیں جیسے ظاہر کیا جا رہا ہے، اور نہ یہ تجزیہ ہی صحیح ہے جس پر مفروضہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

وقت کی اسپرٹ:

یہ صحیح ہے کہ وقت کی اسپرٹ سے ناواقفیت اور متصادم قوتوں سے بے خبری کی موجودگی میں صرف اصول کی گرمی کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ

صورت حال ہے بھی؟ پیش نظر گزارشات متصادم قوتوں کو محسوس کرتے ہوئے سپرد قلم ہوئی ہیں، اور ان پر جہاں جناب نے تنقید کی ضرورت محسوس فرمائی وہاں سینکڑوں درد مند احباب نے اسے پسند بھی فرمایا، لیکن اگر یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ جماعت کی موت افراد کی موت کی طرح ہے اور اس میں اعادہ حیات کی کوئی صورت نہیں تو میں آپ کے مفروضہ کی بنا پر آپ سے اتفاق کروں گا کہ اصلاح کی کوششوں کو یکسر ختم کر کے نئی جماعت کی تشکیل کا سوال سامنے آجانا چاہیے اور ﴿ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ کی پاداش کے لیے تیار ہوجانا چاہیے، لیکن میں ادب سے گزارش کروں گا کہ حالات کی نوعیت اس طرح نہیں۔ قومِ یونس علیہ السلام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس لحاظ سے جماعت اور قوم کا معاملہ افراد سے بالکل جدا ہے، مایوس اور بے امید حضرات سے صرف اتنی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ یاس اور بے امیدی کا وعظ کہنا چھوڑ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: «مَنْ قَالَ: هَلَكَ النَّاسُ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ»[1] (مسلم: ٢/ ٣٢٩)

یہ بھی آپ کا احسان ہوگا اور جماعت کی اہم خدمت!

حالات کی ناخوشگواری کو محسوس کرتے ہوئے یہی ایک داعیہ تھا جس کی بنا پر آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس میں ایک خوشگوار تبدیلی کی کوشش کی گئی، اور کئی مخلص دوست ان مساعی میں پیہم مصروف ہیں۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهُمْ.

حافظ ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ (٢٧٦ھ) نے اپنے زمانے کے متعلق فرمایا تھا:

"اَلنَّاسُ أَسْرَابُ طَيْرٍ يَتَّبِعُ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَلَوْ ظَهَرَ لَهُمْ مَنْ يَدَّعِي النُّبُوَّةَ مَعَ مَعْرِفَتِهِمْ بِأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ أَوْ مَنْ يَدَّعِي الرُّبُوْبِيَّةَ لَوَجَدَ عَلَى ذٰلِكَ أَتْبَاعًا وَّأَشْيَاعًا"

(تأويل مختلف الحديث، ص: ١٣)

"لوگ پرندوں کے غول کی مانند ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے اڑنا شروع

---

[1] جس نے کہا کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو وہ خود سب سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہے۔

کر دیتے ہیں، اگر کوئی نبوت اور خدائی کا مدعی بھی آ جائے تو اسے بھی کچھ نہ کچھ رفیق اور ساتھی مل جائیں گے۔''

یہ حقیقت آج ہمارے نوجوانوں میں کس قدر نمایاں ہے؟!

موجودہ اہلِ حدیث پر ایک نظر:

حافظ زکریا صاحب فرماتے ہیں:

''اب جب ہم ہندوستان کی جماعتِ اہلِ حدیث کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو ہماری خواہشات کے علی الرغم جماعتی حیثیت سے ایک بے اثر و بے روح بلکہ معاف کیجیے ایک بے مقصد اور بے شعور انسانوں کی بھیڑ دکھائی دیتی ہے۔''

حقائق کے بیان میں حافظ صاحب نے جس صاف گوئی سے کام لیا ہے اس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں، ان کے غواص قلم نے دل کی گہرائیوں سے جس طرح موتیوں کو نکال کر صفحہ قرطاس پر بکھیرا ہے اور دل کے گوشوں میں جو چیز مستور تھی اس کے اظہار میں ان کی جرأت ہزار تحسین کی سزاوار ہے، اسے کتنا ہی تلخ سمجھا جائے لیکن یہ صحیح ہے اور ایک مخلص دوست کی دردمندانہ آواز، جس کی بنیاد خلوص پر ہے، نیک نیتی پر ہے، اس کے خلاف میں ایک حرف بھی نہیں کہنا چاہتا، بلکہ امرت سر کے اربابِ قیادت کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ماضی پر ایک تبصرہ ہے جو ﴿ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَآ ﴾ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ع

چیست یاران طریقہ بعد ازیں تدبیر ما[1]

گرفتارانِ تفسیر سلف و خلف فرمائیں کہ کیا یہ ہماری ہی تصویر ہے؟ میں اس کو صحیح سمجھتا ہوں اور اس کا جواب آپ حضرات پر چھوڑتا ہوں، اور حافظ زکریا صاحب سے گزارش کروں گا کہ یہ صورت حال ہر جگہ نہیں۔ میرا اپنا خیال یہی تھا لیکن آل انڈیا اہلِ حدیث

---

[1] احباب گرامی! اس کے بعد ہماری تدبیر کیا ہے؟

کانفرس کے اجلاس دہلی پر مختلف احباب سے ملنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ حالات بحمد اللہ قابل اصلاح ہیں، اس لیے آپ کے ارشادات کو کلیتاً پوری جماعت کے متعلق تسلیم کرنے میں مجھے تأمل ہے، بعض جگہ حالات واقعتاً ناخوشگوار ہیں۔

اہلِ حدیث کی سرکاری تصدیق:

حافظ صاحب فرماتے ہیں:

> ''میرے خیال میں تو جماعت اپنے مقصد کو اسی دن بھلانے میں مشغول ہوگئی تھی جس دن اس نے سرکار انگلشیہ سے اپنے نئے نام اہلِ حدیث کی تصدیق کرادی تھی۔''

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس راہ میں حکومت سے جو اعانت چاہی گئی وہ بالکل غیر مستحسن تھی اور موجودہ حالات تو ایسی مساعی کے لیے قطعاً ناساز گار ہیں۔ میں حافظ صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ مندرجہ ذیل گزارشات پر غور فرمائیں:

① یہ کوشش جماعت کی طرف سے نہیں تھی بلکہ یہ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی کوشش تھی، جو انبالہ کیس اور پٹنہ کیس کے تأثرات سے ہیبت زدہ ہو رہے تھے، جبکہ انبالہ کیس کے ملزم جزیرہ انڈیمان کی ''سیر'' کے لیے بھیج دیے گئے تھے اور باقی ''وہابیوں'' کی تلاش حکومت کے پیش نظر تھی، جناب کی نگاہ نے صرف ایک عیب کی بنا پر باقی محاسن نظر انداز فرما دیے۔

وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِيْ الْمَسَاوِيَا[1]

② مولانا بٹالوی کی یہ کوشش ''المجتهد يخطئ ويصيب'' کے اصول پر سمجھی جانی چاہیے۔ اللہ نہ کرے کہ ''اسلامی تحریک'' پر یہ دور آئے، اگر ایسا ہوا تو دنیا دیکھے گی کہ جماعت کے اربابِ فکر کہاں تک سوچ سکتے ہیں؟

---

[1] کیونکہ غصے کی آنکھ تو عیوب ہی نمایاں کرتی ہے۔

③ یہ لفظ اہلِ حدیث کی تصدیق نہ تھی بلکہ لفظ وہابی سے بریت کے لیے تھی۔ حکومت کی اس غلطی کو رفع کرنا اخلاقی فرض تھا جو مولانا بٹالوی رحمہ اللہ نے انجام دیا، ورنہ لفظ اہلحدیث تو پہلے ہی موجود تھا، جو غلطی رفع ہونے کے بعد باقی رہا۔ تعجب ہے کہ حافظ صاحب ''خالص اہلِ حدیث'' ماحول میں تربیت پانے کے باوجود اپنی تاریخ سے اتنے ناآشنا کیوں ہیں؟

④ اسی تصدیق کے بعد بھی نظام باطل کی تباہی کے لیے اندرون اور بیرون ہند میں جو کچھ ہوا اس کی نظیر جدید تحریکات شاید پوری صدی میں بھی پیدا نہ کرسکیں۔ مولانا رحیم آبادی، حضرت مولانا غازی پوری، مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا عبدالواحد غزنوی، مولوی عبدالرحیم صاحب لاہوری، مولوی فضل الٰہی صاحب وزیرآبادی، مولوی سید اکبر شاہ، مولوی ولی محمد و دیگر حریت پسند بزرگوں کی کوششیں ہمارے لیے صدیوں تک سرمایہ افتخار رہیں گی ؎

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ [1]

آپ نے قلم کی ایک جنبش سے اس ساری خونی داستان پر پانی پھیر دیا، یہ ایسا قصہ نہیں جس کی تفصیلات قلم کی زبان پر آسکیں۔ ع

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

مجھے افسوس تھا کہ مصنف ''علماءِ ہند کا شاندار ماضی'' نے تاریخِ ہند پر بڑا ظلم کیا کہ تحریکِ ہند کے اصل محرکین کو محض دیوبندی عصبیت کی بنا پر قریباً نظر انداز کردیا، مگر آپ حضرات سے کیا عرض کروں کہ آپ بے خبری میں ایک غلط شہادت دے رہے ہیں۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

[1] یہ ہیں میرے آباء واجداد اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لاکر تو دکھا!

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس تصدیق کے باوجود جماعت کے عملی اقدامات پر کوئی اثر نہیں پڑا، مرزائی اور سماجی مناظرات کی وجہ سے تقسیم کار کی ضرورت یقیناً ہوئی مگر جماعت کی اکثریت کا نقطہ نظر وہی رہا۔ میں مجبور ہوں یہ داستاں جتنی مجھے معلوم ہے اس کا اعادہ بھی میری قدرت میں نہیں۔ آپ کی بے خبری پر تعجب ضرور ہے کہ ہماری ہڈیوں پر اپنی بنیادیں رکھنے والے ہم پر مضحکہ اڑائیں!! ﴿تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾

نقار خانہ میں طوطی:

مجھے معلوم ہے کہ میری حیثیت بقول جناب نقار خانہ میں طوطی کی ہے مگر اس میں میرا کیا قصور؟ آپ حضرات آنے والے خطرات کی بنا پر مجھے اکیلا چھوڑ گئے ہیں اور اپنے لیے نئے ماحول کے انتخاب میں مشغول ہو گئے تو کیا میں بھی بولنا چھوڑ دوں؟ میں جناب کے اس مشورہ کو قبول نہیں کر سکتا۔

کیا پورے اسلامی پریس میں ''کوثر'' کی حیثیت طوطی کی نہیں؟ کیا ان حالات میں اپنے فرائض چھوڑ دیے جائیں؟ کیا اسلامی تحریکات کے نقارخانہ میں آپ کی تحریک طوطی سے زیادہ حیثیت رکھتی ہے؟ تو کیا پھر مولانا مودودی اور عزیز صاحب اپنا مشن اس لیے چھوڑ دیں کہ نقارخانہ ان کا ساتھ نہیں دے رہا؟ سچ پوچھیے تو اکیلا بولنے ہی میں لطف آتا ہے، مگر میں نے امسال اہلِ حدیث کانفرنس کے اجلاس میں بہتوں کو بولنے پر آمادہ کر لیا۔

متضاد جذبات:

میں اعتراف کرتا ہوں کہ ضعفِ قیادت کے علاوہ اور بھی نقائص ہیں جن کی وجہ سے بعض حضرات کی فطری قوتیں جماعت کے اندر رہ کر ظہور کا موقع نہیں پا سکتیں لیکن میں اس ارشاد کے قبول سے انکار کرتا ہوں کہ صرف ان نقائص ہی کی وجہ سے بعض حضرات دوسری تحریکات میں جانے پر مجبور ہو گئے بلکہ ان نقائص کے ساتھ ان حضرات

---

❶ پانی دیکھنے سے پہلے ہی موزے اتار لینا۔

کی ذہنی شکست بھی اس کی ذمہ دار ہے۔ "نَزْعُ الْخُفِّ قَبْلَ رُؤْيَةِ الْمَاءِ"[1] کی عادت انھیں مایوسی کی طرف لے جا رہی ہے اور "كُلُّ جَدِيْدٍ لَذِيْذٌ" کا چسکا بھی انھیں پابرکاب رہنے پر مجبور کرتا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ تحریک اسلامی کی اس مختصر سی عمر میں آمد و رفت کا سلسلہ کس طرح بندھ رہا ہے؟ حضرت مولانا منظور نعمانی، محترم محمد شاہ صاحب، محترم سید ابوالحسن علی صاحب ندوی، مولانا جعفر صاحب ندوی کپورتھلہ۔ ان میں بعض حضرات تقویٰ، صلاح اور حسن عمل کے لحاظ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں لیکن وہ ''جماعت اسلامی'' کے نظام سے مطمئن نہ ہو سکے، اور اس وقت وہ بعض دوسری جماعتوں میں اچھا کام کر رہے ہیں۔ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ ''جماعتِ اسلامی'' کے نظام میں ان کی فطری قوتوں کی نشو ونما کے لیے کوئی موقع نہ تھا؟ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی افتادِ طبیعت کے لحاظ سے ایک نظام میں نہیں سما سکتے، وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ اچھی روحوں اور بہتر دماغوں کے میسر آنے تک اپنی عملی قوتوں کو تعطل کی نذر کیے رکھیں، اس لیے وہ پورے خلوص کے ساتھ دوسرے اداروں میں کام کر رہے ہیں، جیسے ہم آپ جیسے حضرات کو وداع کرنے پر مجبور ہیں۔ ع

سلامت روی و باز آئی[1]

اس لیے تنہا جماعت کا نظام ہی اس کا ذمہ دار نہیں جھکنے کی عادت بھی اس تقلب کا موجب ہو سکتی ہے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک بزرگ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا: ((مُحَمَّدُ! أَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ)) میری بیعت واپس دے دو۔ اور یہ کہہ کر چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا

---

1. سلامتی کے ساتھ جاؤ اور واپس آؤ۔
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٧٨٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٨٣)

تھا: «اَلْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ يُنْفِيُ الْخَبَثَ»[2] مدینہ بھٹی ہے، اس میں میل کی گنجائش نہیں۔

(بخاری مع الفتح: ٤/ ٩٨، ١٣/ ٢٠١ وغیرہ)

جماعت میں نقائص ہیں لیکن یہ تحریک پیما حضرات بھی معصوم نہیں ہیں، شکایت بھی دراصل ان حضرات ہی سے ہے ورنہ حریتِ فکر پر پابندی اہلِ حدیث کی فطرت کے خلاف ہے۔

جاہلیتِ جدیدہ اور اہلِ حدیث:

جماعت کے متعلق میرے مفروضہ کو قبول فرما کر محترم حافظ صاحب فرماتے ہیں:

''جاہلیتِ جدیدہ کے متعلق اہلِ حدیث نے پچاس سال میں کون سا لٹریچر شائع کیا ہے؟''

میں اس فروگزاشت کو مانتا ہوں کہ یورپین تہذیب کے بعض حصوں کے متعلق جماعت اہلِ حدیث نے اصلاحی توجہ نہیں کی لیکن اگر آپ جماعت کے پروگرام کی نوعیت پر غور فرمائیں تو یہ غلطی اس قدر اہم نہ ہوگی جس پر آپ اس قدر ناراض ہوں۔ جماعت کا پہلا پروگرام یہ تھا کہ جاہلیت جدیدہ کو یکسر رخصت ہی کر دیا جائے، چنانچہ ١٨٥٧ء سے لے کر آج تک یہ پروگرام پیشِ نظر رہا، میں پروگرام کی صحت یا غلطی پر بحث نہیں کرنا چاہتا، میں اس راہ کی ناکامیوں کو مانتا ہوں لیکن عشق کی ان سرشاریوں سے کیونکر انکار کروں کہ آج بھی ان میں سے بعض مخلص پراگندہ حال اس امید میں جی رہے ہیں کہ ہم اس جاہلی نظام کو جڑوں سے اکھیڑ دیں گے۔

حافظ صاحب! ان مجانین کے سامنے لٹریچر کا سوال کیونکر آئے گا؟ ابتداءً یہ کوشش اخوانِ دیوبند کے ساتھ مشترک تھی، بعد میں اس کی ذمہ داریاں تمام تر ان لوگوں پر آ گئیں جن کے وجود سے جناب کو فلسفیانہ انکار بھی ہے اور انھیں آپ مخلصانہ ملامت بھی فرما رہے ہیں۔ اس جنون کے بعد لٹریچر کی تاجرانہ دانشمندیوں کو ہم نہیں سمجھ سکے تو ہمیں معذور سمجھا جائے گا۔ لٹریچر میں آپ زیادہ اعتماد نہ فرمائیں، تحریکات کے مد و جزر

میں جلسے، تقاریر، سپاہیانہ زندگی، مصنوعی جنگ، ساری چیزیں وقتی اہمیت کے بعد اپنا وقار کھو چکی ہیں، یہ موسمی لٹریچر جسے جناب آج وقت کی آواز فرما رہے ہیں میرا خیال ہے عنقریب اپنا وقار کھو دے گا۔ اس کے بعد ہم اور آپ پرانے لٹریچر کی طرف رجوع کریں گے جہاں نواب صدیق حسن خان، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا تلطف حسین مرحوم، فتح البیان، فتح الباری، عون المعبود، تحفۃ الاحوذی جیسا پاکیزہ لٹریچر لیے آپ کا استقبال فرمائیں گے۔ اس وقت جناب کو اس موسمی لٹریچر اور ہمارے لٹریچر کی اہمیت معلوم ہوگی۔ ؎

فَسَوْفَ تَرَی إِذِ انْکَشَفَ الْغُبَارُ
أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارُ [1]

دوسرا پروگرام کتاب و سنت کی علمی اور عملی اشاعت کا تھا، جس کی ابتدا دہلی میں ان لوگوں نے کی جو سابقہ ہنگاموں کے بعد بقیۃ السیف کا حکم رکھتے تھے۔ دہلی کی اس درسگاہ کی شاخیں نجد، شام، عراق، مراکش تک پھیل گئیں۔ آپ کے سامنے امرتسر، لاہور، وزیر آباد، پشاور، راولپنڈی، آرہ، دربھنگہ، سیالکوٹ وغیرہ میں اس کے کھنڈر اس کی رفعت کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس کے بالمقابل سر سید مرحوم نے اس جاہلیت جدیدہ کو دعوت دی، انھیں کے زیر سایہ وہ برگ و بار لائی، وہ اور جن لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہی وہی اس کے فوائد اور نقائص کو زیادہ جان سکتے تھے۔ ہمیں تو اتنا محسوس ہوا کہ ملت کے اچھے دماغ قریباً اس طرف چلے گئے، اسلامی درسگاہیں اس بے سروسامانی میں اپنی بساط کے موافق کام کرتی رہیں، ہم ان کو بے دین سمجھتے رہے وہ ہمیں احمق بتاتے رہے، آپ جیسے مشفق ہمیں فرماتے رہے کہ علما اب سوسائٹی میں مفید عنصر کی حیثیت میں نہیں رہ سکیں گے۔ اس وقت کے نتائج پتہ دے رہے ہیں کہ دونوں فریق کس قدر غلطی پر تھے؟ وہاں بھی دفتروں کے لیے ٹائپ رائٹروں ہی کی بھرتی مل سکی

[1] جب غبار چھٹ جائے گا تو عنقریب تمھیں معلوم ہوگا کہ تمھارے نیچے گھوڑا ہے کہ گدھا؟!

یہاں بھی ائمہ مساجد پیدا ہوسکے، نہ یہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور غزالی رحمہ اللہ پیدا ہوسکے نہ وہاں کوئی نٹشے پیدا ہوسکا۔ آپس کے بُعد کی وجہ سے وہاں خرابیوں کا پتہ نہ لگ سکا۔

چند سال سے مولانا ابوالاعلیٰ نے اس کا احساس کیا، ان کا لٹریچر اس باب میں یقیناً مفید ہے، وہ بھی اگر نظامِ باطل سے بی۔ اے کی ڈگری نہ پاتے تو شاید ہماری طرح ان کو بھی احساس نہ ہوتا۔ بہر حال یہ حق بھی انھی کا تھا، اہلِ حدیث کی راہ ہی دوسری تھی، جو بیماری لائے تھے علاج کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہونی چاہیے، جماعت اس وقت بھی ان کی اعانت کر رہی ہے۔ جس قدر لٹریچر بک رہا ہے اس میں جماعت کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ آئندہ آپ دیکھیں گے کہ اس قسم کا لٹریچر جماعت کی طرف سے بھی شائع ہونا شروع ہو جائے گا، دو چار سال کے پس و پیش سے طعن و تشنیع کی صورت نہیں ہونی چاہیے۔ یہی گزارش تھی جو میں نے سابقہ گزارشات ''جماعت اسلامی'' کے اربابِ بست و کشاد سے کی تھیں۔

آپ مولانا ابوالاعلیٰ کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ''جاہلیتِ جدیدہ'' سے آپ کو بچایا، میں جماعتِ اہلِ حدیث کا ممنون ہوں کہ میں جاہلیت جدیدہ سے متاثر ہی نہیں ہوا لیکن میں اس ضرورت کو محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت اس لٹریچر کی ضرورت واقعی ہے لیکن مجھے جناب کے ارشاد سے قطعی انکار ہے کہ تمام ائمہ تجدید نے آغاز کار لٹریچر ہی سے کیا، سید شہید کی تحریک آپ کے سامنے ہے، ابتدا میں کون سا لٹریچر شائع کیا گیا؟ خود اسلام ہی کو دیکھیے ابتدا میں کون سا لٹریچر تھا؟ اور اس کی اشاعت کے ذرائع کہاں تک موجود تھے؟ آج کل کے تجارتی ماحول میں ابتداءً لٹریچر مفید ہے، چندوں کی بدنامی اور وعظ فروشی سے لٹریچر کی بدولت بچا جا سکتا ہے، ورنہ تحریکاتِ صحیحہ اور ائمہ تجدید کے اعمال میں سب سے زیادہ اور اہم توجہ شخصی اور جماعتی اخلاق کی طرف ہوتی تھی، اور یہی اصل چیز ہے، قائد کی عزیمت اور عمل کی پختگی تحریک کی کامیابی کی کلید ہوسکتی ہے جو جدید تحریکات میں عموماً ناپید ہے۔

مناظرات:

مناظرات کو جو اہمیت جماعت میں حاصل رہی ہے اس کی حیثیت واقعی سلبی ہے، ایجابی اور تعمیری نہیں، لیکن جماعت نے اس راہ میں جو کچھ کیا اس میں عموماً ماحول کی مجبوریاں کارفرما تھیں، مخالفین نے ایسی صورت حال پیدا کر دی جس کا حل مناظرہ کے سوا نہ ہوسکا، جس طرح آپ کو میری گزارشات کے خلاف لکھنا پڑا۔ تاہم یہ عادت کم ہونی چاہیے، دوا کو غذا کا مرتبہ نہیں ملنا چاہیے۔

دو بے انصافیاں:

جہاں حافظ صاحب کی اس مخلصانہ تنقید سے مجھے خوشی ہے وہاں مجھے برادرانہ شکوہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”میں جماعت اسلامی پر تبصرہ کرتے ہوئے اہلِ حدیث کی محبت کی وجہ سے ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں۔“ میں جماعت کے لٹریچر کا دیر سے مطالعہ کر رہا ہوں، مولانا مودودی کی تینوں ہجرتیں حیدر آباد، پٹھانکوٹ، لاہور میری نظر میں ہیں، ان مختلف تبدیلیوں اور واقعات کے مدو جزر اور مولانا کے تأثرات اور مولانا کے لب و لہجہ میں ان حوادث کی وجہ سے جو تغیرات رونما ہوئے میں اپنی بساط کے موافق انھیں سمجھتا رہا، لیکن کشمکش کی صورت بحمداللہ کبھی نہیں ہوئی۔ تحریک کے محاسن اور اس کی کمزوریاں جہاں تک میرا ناقص ذہن فیصلہ کرتا رہا مجھے اس میں تشویش نہیں ہوئی، نہ اس کی تنقید میں ہچکچاہٹ ہے نہ اس کی تعریف سے گریز، البتہ اتنی فرصت نہیں مل سکی کہ اس کے متعلق کوئی تفصیلی گزارش کر سکوں۔ اب خیال کر رہا ہوں کہ تحریک کے بعض اساسی پہلوؤں پر کچھ لکھوں یا براہ راست مولانا سے عرض کروں۔ نظامِ باطل کے ساتھ ہمارے تعلقات کی تشریح جس نقطۂ نگاہ سے ”کوثر“ اور ”ترجمان“ میں اس کا تذکرہ ہو رہا ہے میرے ناقص علم میں شرعاً محل نظر ہے۔ میں منتظر ہوں کہ مجھ سے بہتر آدمی موجود ہیں وہ اس پر لکھیں، تاکہ تحریک کو اپنا موقف معلوم کرنے میں سہولت ہو۔

حافظ صاحب نے جماعت میں جو خوبی تھی اسے شخصی قرار دیدیا ہے، حتی کہ مجھ جیسے کم سواد آدمی نے اگر کسی اچھے خیال کا اظہار کر دیا تو حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اسے یوں کہنا چاہیے کہ روح تو باقی ہے لیکن جماعت میں نہیں بلکہ بعض افراد میں۔ لیکن امرتسر کے کسی تنگ ظرف عالم کا ذکر فرماتے ہوئے اس کا الزام جماعت پر عائد فرماتے ہیں حالانکہ وہ بالکل ذاتی اور شخصی عادات ہیں، ان کی تخلیق میں جماعت کا کوئی دخل نہیں۔ یہ میرے خیال میں بے انصافی ہے جس کا مجھے شکوہ ہے۔

جماعت کے افعال اور شخصی افعال میں بے شک فرق تو ہے لیکن آج کل جن اداروں کے اعمال کو جماعتی اعمال سمجھا جا رہا ہے ان کی حقیقت عموماً اسی قدر ہے کہ بعض سمجھ دار آدمی اپنے اردگرد کچھ آدمی جمع کر لیتے ہیں اور بصورتِ ادارہ مطبوعات کی اشاعت شروع ہوجاتی ہے، ان کی آمدنی عموماً اشخاص کی ملکیت ہوتی ہے، البتہ بعض کتب بطور عطیہ یا صدقہ تحریک کو دے دی جاتی ہیں، ادارہ ممنونیت کے ساتھ مستقل اشتہار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ احمدی جماعت کے اداروں کی جہاں تک مجھے علم ہے یہ صورت ہے، میں تو اسے پروپیگنڈا کا ایک حیلہ سمجھتا ہوں، ماسٹر عنایت اللہ صاحب مشرقی کا ''تذکرہ'' اسی حیلہ سے بکا۔ مجھے اس قسم کے ادارے سے کوئی ہمدردی نہیں اور نہ جماعت میں ان کے فقدان سے کوئی رنج۔ کانفرنس اہلِ حدیث نے کتب کی اشاعت اور تقسیم میں بہت کام کیا ہے، ممکن ہے وہ آپ کے مذاق کی نہ ہوں!

حافظ صاحب کے سارے ارشادات میں یہ نقص نمایاں ہے، وہ مثالب کا انتساب پوری جرأت سے جماعت کی طرف فرماتے ہیں اور محاسن کے انتساب میں انھیں تأمل ہوتا ہے ؎

وَإِذَا تَكُونُ كَرِيهَةٌ أُدْعَى لَهَا
وَإِذَا يُحَاسُ الْحَيْسُ يُدْعَى جُنْدُبُ [1]

[1] جب سختی کا موقع ہو تو مجھے بلایا جاتا ہے اور جب حلوہ بنایا جائے تب جندب کو آواز دی جاتی ہے۔

مناظرات جن کو جناب نے سلبی پروگرام سے تعبیر فرمایا ہے وہ یہی شخصی اعمال ہیں، اور ان کے فوائد کا تعلق بھی اشخاص سے ہے۔ بہت سے اہلِ علم اب بھی اپنی ذاتی ذمہ داری پر مناظرات کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کی ان خدمات سے جماعت ہی متأثر ہوتی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ مساعی من حیث الجماعت نہیں ہیں البتہ جماعت نے بعض اوقات ضرورتاً ان مساعی سے استفادہ کیا۔ وَلَا بُدَّ مِنْ ذٰلِكَ!

آخر میں آپ نے پورے امتنان کے ساتھ فرمایا ہے:

''خالص اہلِ حدیث ماحول میں پرورش پانے کے باوجود آپ کو صحیح اسلامیت صرف مولانا مودودی کے لٹریچر سے حاصل ہوئی۔''

یہ بالکل صحیح ہے، لیکن میں دریافت کر سکتا ہوں کہ کیا جناب نے اس سے پہلے کبھی اسلامیات کے مطالعہ کی کوشش بھی فرمائی یا کالج کی سرگرمیاں ہی مطمحِ نظر رہیں؟ آخر اسلام کوئی انجیکشن تو نہیں، آپ کی توجہ ضروری ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ کے لٹریچر سے آپ ہی نے کیوں استفادہ فرمایا؟ آپ جیسے پڑھے لکھے اور بھی ملک میں موجود ہیں، مولانا مودودی کا لٹریچر ان کے لیے کیوں مفید نہیں ہو رہا؟ ''خالص اہلِ حدیث ماحول'' سے زیادہ کمی توجہ کی تھی، جب آپ نے توجہ فرمائی مولانا مودودی آپ کی دستگیری کے لیے موجود تھے، اس لیے مولانا کی شکرگزاری تو صحیح ہے لیکن دوسروں سے ناراضی صحیح نہیں۔ آخر مولانا نے یہ حقائق الہام سے تو نہیں پائے، انھوں نے جس لٹریچر سے استفادہ فرمایا وہ اس سے پہلے موجود تھا، اور اتنا مفید کہ اس نے مولانا مودودی جیسے نکتہ رس بزرگ پیدا کیے۔ آپ غور فرمائیں گے تو آپ کو بہت حد تک اس میں اہلِ حدیث لٹریچر ملے گا، آپ نے توجہ نہیں فرمائی۔ آپ کے استفادہ کی وجہ بھی وہی ''خالص اہلِ حدیث ماحول'' ہے جسے آپ حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں!

آخری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ لوگ کوئی کام کر سکتے ہیں تو کریں، محض لٹریچر

پڑھنا اور اس پر چند حروف لکھ دینا بہت معمولی کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان گزارشات کو مناظرہ کا رنگ نہیں دیا جائے گا، میرا مقصد یہ ہے کہ پراگندہ خیال سے بچا جائے، جہاں تک مقاصد متحد ہوں اتفاق سے کام کرنے کی کوشش کی جائے، وقتی تحریکات سے عصبیت نہ پیدا کی جائے، اور جو ہو وہ خلوص اور نیک دل سے ہو۔

مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف ویرووال سے خطاب:

میں نے ''کوثر'' میں ارشادات گرامی کو پورے غور سے پڑھا، جناب نے جس خوبی سے میری گزارشات کا تجزیہ فرمایا میں اس کے لیے شکر گزار ہوں، اور جس مہارتِ فنی کے ساتھ جناب نے میرے حقیر خیالات پر عملِ جراحی فرمایا اس کے لیے میری ہمدردیاں جناب کے ساتھ ہیں۔ جناب نے اس کیمیاوی تحلیل کے بعد جو نتائج پیدا فرمائے میں اس کے بغیر بھی جناب کے ساتھ تھا اور ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ان مشکلات کا حل یہ ہے جو آپ نے پیش کیا یا وہ جو میں عرض کر رہا ہوں؟ آپ مشکلات سے تنگ آ کر بے صبری سے بھاگ رہے ہیں، میں مریض کے سرہانے کھڑا ہو کر علاج کی جستجو میں ہوں۔ آپ اسے بد پرہیزی کا طعن دے کر الگ ہو جانا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تاصحت اس کی تیمار داری کی جائے۔ آپ مایوس ہیں، میں مریض کو قابلِ علاج سمجھتا ہوں، اسی لیے میں نے ارشاداتِ گرامی کے متعلق مفصل جواب کی ضرورت نہیں سمجھی۔

میں اس وقت بھی آپ کی مخلصانہ مساعی اور تکلیف دہ مصائب سے بے خبر نہیں ہوں۔ آپ کے پٹھان کوٹ کے اجتماع میں داڑھی کے مسئلہ پر حضرت مولانا مودودی کے تخاطب سے جو تلخی پیدا ہوئی، آپ کا طویل تخلیہ، حضرت مولانا عبدالتواب صاحب ملتانی مدظلہ کا طویل ناصحانہ خط ساری چیزیں معلوم ہیں، تسکین قلب کے لیے جس

مجتہدانہ اصول کی آپ حضرات پناہ لے رہے ہیں وہ آپ کی تکلیف اور دردمندی دونوں کا پتہ دیتا ہے لیکن مجھ جیسے کم سواد یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ آپ حضرات بجبر ایسے قالب میں فٹ ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں جو ہزار خوبی کے باوجود آپ کے لیے نہیں ہے یا آپ خود بگڑیں گے یا قالب کو توڑ دیں گے۔

جناب کے ارشادات پر انتہائی غور کے باوجود میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ جناب کا موقف کیا ہے؟ اگر آپ میرے رفیق ہیں تو صاف فرمائیے! میں پٹھان کوٹ کے سفر میں وداع کے لیے اسٹیشن تک پابرکاب چلوں گا اور استقبال کے لیے بھی مجھے آپ گیٹ پر کھڑا پائیں گے۔ مجھے آپ کی اس عارضی مفارقت پر چنداں ملال نہ ہوگا لیکن اگر آپ میرے رفیقِ سفر نہیں تو مضامین کی اتنی لمبی چادریں اوڑھنے کی کوشش نہ فرمائیں، کھل کر علیحدگی کا اعلان فرمائیں۔ کفر و نفاق کا احتمال نہیں صرف اتحادِ طریق اور مقاماتِ سفر کا خیال ہے، جب یہ توقع نہ ہو تو زحمتِ انتظار میں وقت ضائع نہ ہو۔

میری گزارش پہلے بھی یہی تھی، اب بھی یہی ہے۔ جناب کے طویل ارشادات نے میری اس تشنگی کو پورا نہیں کیا۔

............***............

مسلکِ اہلحدیث اور فریضہ اقامتِ دین

جدید تحریکات اور ہمارا موقف

گزشتہ چند مہینوں میں بعض ناگزیر حالات اور تأثرات کی بنا پر میں نے ایک مختصر سا سلسلہ مضامین لکھا جس میں مسلکِ اہلِ حدیث اور اس کے تاریخی مدو جزر کا ذکر تھا، اور مختصراً ان حوادث کا ذکر بھی آیا تھا جو تیرہ سو سال کے عرصہ میں اس مسلک کے متبعین کو پیش آئے، جن کی روشنی میں میری ناقص رائے ہے کہ اس مسلک کے حامیوں نے ایک جماعتی اور انقلابی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ یہ گزارشات توقع سے زیادہ قبولیت کی نگاہ سے دیکھی گئیں، اور جس سراسیمگی اور پریشانی سے متأثر ہو کر یہ گزارشات کی گئی تھیں اس میں بحمداللہ اب کافی سکون ہے۔

ان دنوں کی ڈاک سے محسوس ہوتا ہے کہ ایسے مضامین کے لیے جماعت میں کافی تشنگی موجود تھی، جماعت کے دردمند حضرات ایسے مضامین کی ضرورت محسوس فرما رہے تھے، یہی سبب ہے مجھ جیسے قلم کے ناآشنا کی گزارشات کو ادارہ اہلحدیث نے شرفِ اشاعت بخشا۔

ایک طبقہ نے اسے ناپسند بھی فرمایا جو اس سراسیمگی اور پریشانی کو طبعی اور فطری سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں اس تگ و تاز کا جاری رہنا ضروری ہے تاکہ جمود و تعطل نہ ہو، ان کے خیال میں حرکت ہونی چاہیے، چاہے وہ پریشانی و سراسیمگی کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہو؟

میں اس اختلاف و تخالف کو بھی قبولیت کی دلیل سمجھتا ہوں۔ جس چیز کو نہ دوستوں کی حمایت حاصل ہو نہ مخالفین کی تنقید سے سابقہ پڑے، سمجھ لینا چاہیے کہ وہ وقت کی چیز نہیں۔

چونکہ یہ مضامین تنقید وتعقب کی نظر سے لکھے گئے تھے اس لیے میں محسوس کرتا ہوں کہ بعض گوشے ہنوز تفصیل طلب ہیں، جہاں مناظر اور متعاقب کو اس اجمال میں اشتباہ ہوسکتا ہے۔ مخلص اہلِ فکر کے لیے بھی ممکن ہے کہ بعض مواقع پریشانی کے موجب ہوں، اس لیے زیرِ قلم گزارشات کی ضرورت محسوس ہوئی۔

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ﴾ [هود: ۸۸]

اہلِ حدیث بلحاظ طریقِ فکر:

اس میں شک نہیں کہ اہلِ حدیث کا طریق فکر ممتاز ہے، قیاس کی ضرورت کو محسوس کرنے اور نظائر سے نظائر کے احکام میں استفادہ کے باوجود اس میں زیادہ تر انحصار نصوص صریحہ اور قضایا صحابہ پر رکھا گیا ہے۔ قیاس کو یہاں وہ اہمیت حاصل نہیں جو اس کو بعد میں حاصل ہوئی۔ بعد کے افکار میں بعض لوگوں نے یونانی نکتہ نظر سے سمجھا، صفات باری اور جزا وسزا کے مسائل کو یونانی فلاسفہ کے اصولوں کی روشنی میں سوچا گیا، جہاں سنت صحیحہ اور فلاسفہ کے افکار میں تصادم ہوا سنت کو ظنی کہہ کر ٹال دیا گیا۔

بعض حضرات نے مخصوص اہلِ علم کے طریق فہم وفکر کو زیادہ اہمیت دی، تمام مسائل میں ان مخصوص ائمہ کے اصول وضوابط ان کے پیش نظر رہے، انھی کی روشنی میں جو سوچنا تھا سوچا گیا، فرطِ عقیدت سے مذہب کی نسبت ان کی طرف کی گئی بلکہ ان کے نام پر کھلی دعوت دی گئی، پھر ان شخصی نسبتوں پر باہمی مخاصمت تک نوبت پہنچی۔ اہلِ حدیث کے ہاں یہ دونوں چیزیں ناپید ہیں، نہ یہاں یونان سے وابستگی ہے اور نہ شخصی اصولوں کی بنا پر کوئی انتساب۔ یہاں اسلام کا تصور فقہیات اور صفات کی مخصوص تاویلات سے زیادہ وسیع ہے۔ طہارت، صلوٰۃ، جہاد، زہد ورقاق، احکام اہل الذمہ، اقضیہ وغیرہ تمام مسائل کو اپنی اپنی جگہ یکساں حیثیت حاصل ہے، جیسے ائمہ حدیث کی تصانیف سے واضح ہے۔ ان علمی ذخائر کی موجودگی میں حقائق و واقعات پر سب سے بڑا ظلم ہوگا کہ اس

طریق فکر کو دوسرے طرقِ فکر کے مساوی مرتبہ دیا جائے جہاں مقصد بعض اشخاص کے فہم کی ترجمانی ہے یا مخصوص افکار کی اشاعت۔ جس طریقِ فکر کی دعوت اسلام نے دی ہے اور جتنی وسعت ساذج اسلام میں موجود ہے ٹھیک اسی طریق کی دعوت اہلِ حدیث نے دی ہے، اور اسی قدر وسعت اس میں موجود ہے۔ مجھے اپنے ناقص علم کی بنا پر قطعی انکار ہے کہ اہلِ حدیث کوئی فرقہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ الفاظ وتعبیر میں بعض اوقات امتیاز کی صورت پیدا ہوجاتی ہے جس میں بعض اشیا کا وجود یا عدم تصور کیا جا سکتا ہے لیکن اس وجود وعدم یا شرط اور لا شرط کا استعمال جب حقائق پر مبنی نہ ہو اور نفس الامر میں اس کی کوئی حقیقت نہ ہو تو محض تعبیری امتیازات فرقہ کی صورت پیدا نہیں کر سکتے۔

میں اسے تصور ساذج کی طرح سمجھتا ہوں جو شروط مندرجہ کے باوجود بھی تصور اور تصدیق کے مقسم بن سکتا ہے، ساذج کی قید کا اس پر کوئی اثر نہیں۔ اسی طرح میرا خیال ہے کہ اہلِ حدیث اسلام کی اصل تعبیر ہے اور اس کے سوا سب فرقے ہیں جو اس جماعت سے الگ ہوئے۔ صراط مستقیم کے ساتھ جہاں ایسے خطوط اور پگ ڈنڈیاں بن سکتی ہیں جو اس سے بھٹکانے کا موجب ہوں، وہاں ایسے خطوط بھی ضرورتاً بنائے جا سکتے ہیں جو صراط مستقیم سے بہت دور نہیں جا رہے بلکہ تھوڑے فاصلے پر اس سے مل جاتے ہیں یا کم وبیش فرق سے مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں۔ بعض حالات میں ایسے ضمنی راستوں پر چلنے کی اجازت دی جا سکتی ہے لیکن انہیں صراط مستقیم نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کے مساوی۔ اسی طرح مسلک اہلحدیث اسلام کی صحیح تعبیر کے لحاظ سے صراط مستقیم ہے، باقی کچھ فرقے ایسے ہیں جو اس صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں، اور بعض اس کے بہت قریب اور قابل برداشت ہیں لیکن تفرق کی ذمہ داری ان پر ہے اہلِ حدیث پر نہیں۔

اہلِ حدیث بلحاظِ تحریک:

صورتِ حال کے اس واقعی تصور کے بعد، جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، ان

تاریخی حوادث پر غور فرمایئے جن سے اس طریقِ فکر کو سابقہ پڑا۔ جب ایک جماعت نے دین کو اس طریق پر سوچا اور اس کی ذمہ داریوں پر غور کیا، اس کے نتائج اور عواقب پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی روشنی میں سوچا تو انھیں یقین ہوگیا کہ زندگی کا یہ موقع اپنی مکمل ذمہ داریوں کے لحاظ سے صرف مدارس اور ادارہ ہائے تالیف وتصنیف سے کامیاب نہیں ہوگا جب تک اسے ایک تحریک کی صورت نہ دی جائے، قانونِ الٰہی کے مطابق جہاں مادی طاقت کی ضرورت ہو اسے مہیا کیا جائے، اگر لٹریچر مفید ہو سکے تو اسے بہم پہنچایا جائے، اور اگر حکومتِ وقت زندگی کے ان اسالیب سے تصادم کرے تو اس سے ٹکر لے لی جائے، اگر کامیابی کی راہ قید و بند کے خارستان سے گزر رہی ہو تو اسے پوری کشادہ دلی سے برداشت کر لیا جائے، غرض کامرانی کی راہ میں کوئی صعوبت بھی سامنے آئے اسے لبیک کہا جائے۔

آپ تاریخ کے اوراق الٹ کر ملاحظہ فرمائیں کہ اس طریقِ فکر کے حامی کس کس محاذ پر لڑے؟ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کو بغاوت یا خلافت کے صحیح مستحق کی حمایت میں جیل جانا پڑا۔ امام مالک کا امتحان طلاق بالاکراہ پر لیا گیا۔ امام شافعی ؒ کا سفرِ بغداد بھی کچھ ایسے ہی مسائل کا رہین منت تھا۔ امام احمد ؒ اور ان کے رفیق، مامون کے زمانے سے لے کر واثق باللہ تک علی الاعلان پٹتے رہے۔ امام عبدالعزیز کنانی نے بشر مریسی کے سامنے "حَسْبُهُ قُبْحُ وَجْهِهِ" جیسے شنیع فقرات سنے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ طلاق ثلاثہ، مسئلہ سفر زیارت اور بدعتی صوفیوں کی پردہ دری پر آزمائش میں ڈالے گئے، اصول وفروع کی اشاعت میں جہاں رکاوٹ ہوئی یہ دھڑا وہیں رک گیا، اور اس وقت تک رکا رہا کہ ختم ہوگیا یا دشمن کو ختم کر دیا۔

تاتاریوں کی جنگ میں وہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو حکومت سے عقائد کی جنگ لڑتے جیل بھیج دیے گئے تھے فوج کی قیادت فرما رہے ہیں اور عساکر کے سامنے جہاد کا وعظ کر رہے ہیں۔ فَرَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ.

اس شدید مدافعت اوران صبر آزما حوادث کے باوجود اگر اہلِ حدیث تحریک نہیں تو آج تک دنیا میں نہ کوئی تحریک ہوئی ہے نہ آئندہ شاید ہی ہوگی ۔ اگر یہ شہیدانِ ملت اسلام کو بطورِ نظام زندگی نہیں سمجھ سکے تو آئندہ کے لیے یہ امید بھی مت رکھیے کہ اسے کبھی یہ مقام حاصل ہوگا۔

آج کی تحریکات جن کا مایہ ناز کارنامہ چند رسائل کی اشاعت ہے، اور چند مناظرات اور خطبات اور کچھ وقتی اجتماعات ان کی زندگی کا شاہکار، یہ تو اجتماعی اور انقلابی تحریکات تصور کی جائیں اور جہاں موت و حیات کی کشمکش کا یہ حال ہے اور امتحانِ صبر کا یہ عالم وہ صرف طریقِ فکر! ؎

فَلَيْسَ يَصِحُّ فِي الْأَذْهَانِ شَيْءٌ
إِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ إِلىٰ دَلِيْلٍ [1]

پس میں اس منطق کے سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں، میں اس اکتشاف اور مشورہ کے لیے اپنے مخلص دوستوں کا ممنون ہوں جو فرماتے ہیں:

> ’’اس طریقِ فکر کے لیے جب تک کوئی ایک مدرسہ موجود ہو، اور ایک دو مصنف اس انداز پر لکھنے والے دنیا میں موجود رہیں اہلِ حدیث کو مطمئن رہنا چاہیے وہ ابھی زندہ ہیں۔‘‘

مختصراً کیا عرض کروں؟ میں اس شکست خوردہ ذہنیت سے مطمئن نہیں ہوں اور نہ اس احساس کمتری کی عادت ہی ہے، میں تو پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اقامتِ دین کی حرکت کی کوئی تعریف کریں اور اس خاکہ میں کوئی بھی موزوں رنگ بھر دیں، اہلِ حدیث صحیح معنی میں اس کے حق دار ہوں گے۔

طریقِ فکر اور تحریک:

ایک فکر کے لیے ضروری نہیں کہ یہ تحریک کی صورت اختیار کرے لیکن ایک تحریک

[1] اگر دن کو بھی دلیل کی ضرورت ہو تو پھر ذہنوں میں (موجود) کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔

کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے مخصوص طریق پر سوچے، اس لیے مجھے اس سے انکار نہیں اہلِ حدیث ایک طریق فکر ہے، مجھے انکار اس سے ہے کہ وہ صرف طریق فکر ہو اور بس۔ بعض اصلاحی تحریکات میں فروعی مباحث اس لیے نظر انداز کیے جاتے ہیں کہ تحریک بدنام نہ ہو، تحریک پر وہابیت یا مرزائیت کا اشتباہ نہ ہونے لگے۔ اہلِ حدیث کا یہ جرم ہے کہ انھوں نے اصول وفروع میں بلا خطر اپنی رائے کا اظہار کیا، ان کی نگاہ میں اصول وفروع دونوں کا منہاجِ سنت پر ہونا ضروری ہے، ہمارے بعض دوست اس سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ اہلِ حدیث صرف ایک فقہی طریقِ فکر ہے جیسے حنفی اور شافعی!

سید شہید رحمہ اللہ کی تحریک:

پچھلی صدی میں سید شہید رحمہ اللہ کی تحریک کی بھی یہی نوعیت ہے، انھوں نے "تقوية الإيمان" اور " تنوير العينين في إثبات سنية رفع اليدين" میں اصول اور فروع دونوں کی اصلاح فرمائی اور اس کے ساتھ دعوتِ جہاد بھی دی۔ فروع میں اعتدال اس وقت تحریک کے پروگرام کا اہم حصہ تھا، اس لیے اس وقت جماعت کی ہیئت ترکیبی اس کی عملی شہادت ہے، اور آج کل بھی مساجد اہلِ حدیث میں یہ اعتدال نمایاں ہے، وہاں کسی کو نماز سے نہیں روکا جاتا اور نہ ان فروعی مسائل کے لیے کبھی ہنگامہ بپا کیا جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ اس اعتدال سے بھی یہی سمجھا جا رہا ہے کہ اہلِ حدیث صرف طریقِ فکر کا نام ہے حالانکہ تحریکِ سید شہید اس اعتدال کا کامیاب عملی تجربہ ہے، آج بھی جو لوگ صرف ان فروع پر ہنگامے بپا کرتے ہیں انھوں نے مسلک اہلِ حدیث کو صحیح نہیں سمجھا لیکن جب کسی مسلک سے نگاہیں بدل جاتی ہیں تو اس کے محاسن کی ایک ایک چیز قبیح معلوم ہونے لگتی ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے تحریک اقامتِ دین اور اہلِ حدیث کے مزاج میں کوئی جوہری فرق نہیں، ضرورت عمل کی ہے اور صحیح قیادت کی۔

مذہب، دین اور تحریک:

مذہب اور دین کو تحریک سے تعبیر کرنے میں مجھے تو تأمل ہے لیکن اگر یہ تحریک

تھوڑی دیر کے لیے صحیح مان لی جائے اور مدینہ کی سوسائٹی کو ایک تحریک کا نتیجہ تصور کر لیا جائے تو اس کے مزاج میں اصول وفروع کی اصلاح کا جو حکیمانہ امتزاج موجود ہے ٹھیک تحریک اہلِ حدیث میں وہ چیز پائی جاتی ہے۔ اگر فقہی مسائل میں گفتگو اور طریقِ فہم واستدلال میں کسی مخصوص طرزِ فکر کا التزام اہلِ حدیث کے لیے ایک فقہی مکتب فکر ہے تو اس کی تجدید واحیا کے لیے مصطلح تحریکات بے سود ہیں، فقہی مکتب ہی اس کی تجدید کر سکتے ہیں، مصطلح تحریکات اور محرکین کو اپنے لیے کوئی اور میدانِ عمل تلاش کرنا چاہیے۔

طبعی تحریکات:

ہر چیز کی خرابی کے بعد اصلاح کی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، دین اور اس کا نظام بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ خیال مشتبہ ہی نہیں بلکہ غلط ہوگا کہ ''دین بلحاظ نظام زندگی یکسر ناپید ہے۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ»[1]

اس لیے ایسا تو ممکن نہیں کہ دین اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بالکل ناپید ہو جائے، یقیناً ایک جماعت ایسی دنیا میں رہے گی۔ جو ظاہر علی الحق ہوگی، ان کی تذلیل اور تخریب کی تمام کوششیں بالکل بے کار ہوں گی، ضعف واضمحلال پیدا ہو سکتا ہے، تعداد کم ہو سکتی ہے، دین کے ساتھ محبت وشیفتگی میں فتور آ سکتا ہے، دین کے فیوض سے محرومی پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے حالات میں اصلاح کی کوششیں مختلف نتائج سے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، ان تحریکات کو طبعی کہنا تو صحیح ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ طبیعت کا ہر فعل مقتضائے فطرت بھی ہو، تمام امراض کا منبع طبیعت ہی ہے لیکن چونکہ طبیعت کی یہ حالت فطرت کے خلاف ہے اس لیے ان طبعی حرکات کا علاج عرفاً اور شرعاً ضروری ہے۔

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٢٢٩) وقال: هذا حديث حسن صحيح.

تحریکات میں تنوع:

اصلاح کے طریقوں کا استقصا تو مشکل ہے لیکن اس کی مختلف صورتیں قریباً چار ہیں:

① مادی طاقتیں اپنی حاکمانہ قوتوں کو اصلاحِ مفاسد کی طرف متوجہ کریں۔ اربابِ سیاست کی توجہ سے برسوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہوسکتا ہے۔

« كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَلَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَسَتَكُوْنُ الْخُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ، قَالُوْا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ »[1] ، الحديث أو كما قال.

(صحيح مسلم: ٢/ ١٢٦)

یعنی اس امت میں اصلاح کا کام انبیا کی بجائے خلفا کے سپرد ہوگا اور وہ بہت ہوں گے۔

② تجدید واحیاءِ دین:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ فِيْمَا أَعْلَمُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: « إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا »[2]

(أبو داود: ٤/ ١٧٨ مع العون وغيره)

یعنی ہر صدی کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے آدمی پیدا فرماتا رہے گا جو نقائص کی اصلاح فرماتے رہیں گے۔

بلاشبہ احیاء وتجدید کا تعلق بحیثیت مجموعی پورے دین کے ساتھ ہے لیکن سلسلہ مجددین اور ان کے اصلاحی اعمال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طریق نبوت کے طریق سے کس قدر مماثل ہے؟ پیغمبر کی بالغ نظر بیک وقت تمام نقائص کا جائزہ لے لیتی ہے، اور اس قدر مکمل پروگرام مرتب فرما دیا جاتا ہے کہ برسوں نقائص اس کی طرف راہ نہیں پا سکتے اور کوئی پہلو پیغمبر کی نظر سے بچ نہیں سکتا، لیکن مجدد کی نظر وقت

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٤٢)

[2] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٩١)

کے مخصوص مسائل کی طرف ہوتی ہے اور نقائص کا جائزہ محدود طور پر لیا جاتا ہے، اور پروگرام کی نوعیت بھی اس مناسبت سے ہوتی ہے، نہ پروگرام کی تکمیل کا دعویٰ ہوتا ہے اور نہ عصمت عن الخطا کی ذمہ داری۔ امام شافعی اور عمر بن عبدالعزیز مسلمہ مجدد ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کی توجہ ان مظالم کی طرف رہی جو اموی خلفا سے سرزد ہوئے اور جمع و تدوینِ حدیث کا کام ان کے وقت میں بہت حد تک مکمل ہوگیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی تجدید کا اثر اصول فقہ کی تدوین کی صورت میں ہوا اور اصولِ حدیث میں ایسی اصلاحات فرمائیں جو وقت کے لحاظ سے ضروری تھیں، چنانچہ مرسل کی علی الاطلاق حجیت میں جو خطرات پیدا ہو چکے تھے ان کی وضاحت فرمائی۔[1]

غرض تجدید و اصلاح کے پروگرام میں توجہ مخصوص شعبوں کی طرف ہوتی ہے، اس لیے مختلف ممالک میں بیک وقت متعدد مجدد ہوتے رہے۔ جہاں کسی نے کسی ایک زاویہ کی اصلاح فرما دی وہی مجدد کہلایا۔ تجدید ایک علمی اور اصلاحی مقام تھا، اسے دکان داری کی حیثیت غالباً سب سے پہلے اربابِ قادیان نے دی، ورنہ پہلے مجددین کا تو یہ حال تھا کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوا کہ وہ مجدد ہیں۔ آنے والی نسلوں نے ان کے اعمال کا جائزہ لے کر انھیں مجدد تصور فرمایا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مجدد تمام نقائص پر حاوی ہو اور اس کا پروگرام کل اصلاح کا کفیل ہو، دنیا میں وہی مجدد کامیاب سمجھے گئے ہیں جن کا پروگرام اپنے ماحول تک محدود رہا، شوخ مزاج اور رفعت پسند مجددین کی بے اعتدالیوں کا حال آپ قادیان میں دیکھ رہے ہیں۔ جہاں تک قول و دعویٰ کا تعلق ہے مقامِ نبوت بھی ان کی ادعائی رفعتوں کو نہیں پا سکتا، جہاں تک فہم اور عمل کی سنجیدگی کا تعلق ہے ان کا مقام ایک معمولی مسلمان سے بھی فروتر ہے۔

۳۔ مقامِ تجدید کے علاوہ ہر زمانے میں مخلص اہلِ علم اپنے وقت میں تبلیغ دینِ حق و اصلاحِ مفاسد کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

---

[1] دیکھیں: الرسالة للشافعي (ص: ٤٦١)

«يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ، يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ، وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ» [1]

(البيهقي مشكوة كتاب العلم)

یعنی امانتِ علم کو خلف، سلف سے لیتے رہیں گے، اور تحریف وتبدیل کو اس سے دور کرتے رہیں گے، باطل پرستوں کے انتحال وابتدع کی اصلاح فرمائیں گے۔

یہی وہ کام ہے جسے ائمہ حدیث نے ہر زمانے میں کیا، تنقیدِ احادیث کے قواعد منضبط فرمائے، وضع وانتحال کی اس طرح بیخ کنی فرمائی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آنے لگا۔ اسی طرح اصول فقہ کی تدوین عمل میں آئی تاکہ روایت کی طرح درایت کے مہالک اور خطرات سے اطمینان حاصل ہو ؎

أَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمُ أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ
لَمْ يَصْحَبُوْا نَفْسَهُ أَنْفَاسَهُ صَحِبُوْا [2]

یہ اپنے وقت کی طبعی اور فطری حرکتیں ہیں جن کی وجہ سے آج ہم دین کو ایک حد تک محفوظ پاتے ہیں، جہاں طبعی طور پر یہ حرکات ضرورتِ وقت کے لحاظ سے پیدا ہوتی رہیں وہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جن کی حیثیت ایک شکاری سے بہتر نہیں۔ ان کے اعمال کی حیثیت ایک جال سے زیادہ نہیں جو ہمرنگِ زمین پر بچھایا گیا۔ سنتِ الٰہی کے نام پر تمام معجزات کا انکار، اشاعتِ اسلام کے نام پر انگلستان تک بھاگ دوڑ، لیکن مقصد اور نتیجہ کے لحاظ سے ان کی مجددانہ کارروائیوں کا ماحاصل صرف اسی قدر ہے کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کے اعتقادات کی تخریب کی

[1] السنن الكبرى للبيهقي (١٠/ ٢٠٩) مشكاة المصابيح (١/ ٥٣) یہ حدیث اپنے مختلف طرق کی بنا پر ثابت ہے، چنانچہ فضیلۃ الشیخ سلیم بن عیدالہلالی نے اس حدیث کی تصحیح وتوثیق پر ایک مستقل کتاب بنام "إرشاد الفحول إلى تحرير النقول في تصحيح حديث العدول" لکھی ہے۔

[2] اہلِ حدیث ہی نبی ﷺ کے حقدار ہیں، اگرچہ انھیں آپ ﷺ کی ذات کی صحبت حاصل نہیں ہوئی، لیکن آپ ﷺ کی سانسوں (فرامین) کی صحبت تو انھیں کو حاصل ہوئی ہے!

گئی جو پوری نیک نیتی سے چشم براہ تھے کہ چونکہ دین حق بطور نظام زندگی کے عرصہ سے ناپید ہے اور اقامتِ دین مسلمانوں کی زندگی کا واحد مقصد بن گیا ہے، اس مقصد کے لیے تحریکوں کا پیدا ہونا اور مٹتے رہنا ایک طبعی امر ہے، اور جب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہو جاتا مشیئت الٰہی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اقامتِ دین کی تحریکیں پیدا ہوتی اور مٹتی رہیں، جدوجہد جاری رکھی جائے، ہر تحریک پر ہمارے ان تحریک پرور مخلصین نے پورے اخلاص کے ساتھ غور کیا لیکن مشکل یہ تھا کہ ہمارے یہ مخلص اور تحریک پیشہ حضرات شرح صدر کی صحیح کیفیت سے ناآشنا تھے، وہ شرح صدر کے لطف اور انقباض کی الم انگیزیوں سے یکساں ناواقف تھے، ایسے شکار ہوئے کہ کسی ایک گوشہ کی اصلاح کے طلبگار ایمان و ایقان کی پوری عمارت انہدام کی نظر کر بیٹھے اور اس کے باوجود وہ خوش ہیں کہ تعمیرِ ملت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں! اور اس پر یہ غلو ہوا کہ جو لوگ اس سراسیمگی میں ان کا ساتھ نہ دیں وہ خارج از اسلام یا کم از کم گمراہ اور غلط کار!

قادیانی تحریک اس غلو کی زندہ مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔

ہوسِ قیادت:

یہ ساری مصیبت ان حضرات کی پیدا کی ہوئی تھی جو دین کی اصلاح تو پورے خلوص سے چاہتے تھے لیکن اپنے لیے قیادت سے کم کسی چیز پر قانع نہ تھے، اس لیے انھیں پہلی صالح اور معتدل تحریکات سے الگ نئے دشتِ جنوں کی ضرورت محسوس ہوئی، صالح تحریکات کی حدود سے الگ انھیں نئی دنیا بسانا پڑی، ان کی نگاہ میں پہلے مجانین محملِ لیلیٰ کی تلاش میں اس لیے ناکام ہوئے کہ ان کے جنون میں وہ کمال نہ تھا جو ان حضرات کو عطا فرمایا گیا۔ ؎

وَأَخَّرَنِيْ دَهْرِيْ وَقَدَّمَ مَعْشَراً
عَلٰى أَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وَأَعْلَمُ [1]

[1] مجھے میرے زمانے نے پیچھے کر دیا اور ایک جماعت کو آگے کر دیا کیونکہ وہ جانتے نہیں اور میں جانتا ہوں۔

غلطیوں سے کون محفوظ ہے؟ ائمہ سلف کی بعض مسامحات کو اس طرح بسط سے بیان کیا گیا کہ وابستگانِ عقیدہ شرح صدر کے زعم میں جھومنے لگے۔ اس لیے میری رائے تو یہ ہے کہ اس قلتِ علم اور فقدانِ فہم کے دور میں جب دین حق بطور نظام زندگی ناپید ہو رہا ہے جدید تحریکات سے پرہیز کیا جائے اور ان طبعی تقاضوں کو چھوڑ کر دین کی خدمت صرف سلف کی راہوں پر کی جائے، اور قیادت پیشہ حضرات سے باادب عرض کیا جائے کہ وہ تھوڑی دیر صبر فرمائیں تا آنکہ عامۃ المسلمین طبیعت کے فطری اور غیر فطری تقاضوں میں فرق کر سکیں۔

''مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' [1] (مشكوة)

''جو پیروی کرنا چاہتا ہے وہ وفات پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے۔''

اس میں شک نہیں کہ ملک میں ایسی تحریکات موجود ہیں جن کا مزاج بحیثیت مجموعی لادینی نہیں، لیکن ائمہ سلف اور دوسری صالح تحریکات پر غیر معتدل تنقید کی وجہ سے ''زنند لشکر یانش ہزار مرغ بسیخ'' [2] کا معاملہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ میرے دوستوں کو یہ حق ہے کہ ان نفس الامری اور واقعی گزارشات کو ''جذبات میں ڈوبی ہوئی لگن'' سے تعبیر فرمائیں مگر میں بھی اس حمام کے مستورین سے ناواقف نہیں۔ اور اس شرح صدر کو بھی ایک حد تک جانتا ہوں جو جدید تحریکات کے طبعی تقاضوں کے متعلق ان کو حاصل ہوتا ہے، اس لیے یہ غیر طبعی طریقہ شاید میرے لیے موجبِ تسکین نہ ہو۔

کوثر (ج: ۵، نمبر: ۴۴، ۴۵) میں بضمن ''اخبار و اذکار'' جو کچھ شائع ہوا ہے، مولانا پھلواروی نے ان ارشادات میں اپنی تحقیقات کے جو موتی بکھیرے ہیں وہ غیر معتدل تنقید کی بہترین مثال ہیں۔ مولانا نے حدیث کے متعلق جن خیالات کی نسبت اہلِ حدیث

---

[1] حلية الأولياء (١/ ٣٠٥) جامع بيان العلم وفضله (٢/ ١٣٤)

[2] لشکریوں نے ہزار پرندے سیخ پر چڑھائے۔

کی طرف فرمائی ہے وہ اگر نام کی صراحت کے بغیر فرماتے تو مجھے باوجود اہلِ حدیث ہونے کے احساس بھی نہ ہوتا کہ مولانا کس جماعت کا عقیدہ ارشاد فرما رہے ہیں؟ جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے غالباً جماعتِ اہلِ حدیث اس سے ناآشنا ہے۔ مولانا نے حدیث ((أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ))[1] سے انکار کی جو حکیمانہ تلقین فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نگاہ میں یہاں تطبیق کی کوئی صورت نہیں رہی، ان کے خیالِ مبارک میں اس حدیث کو مان لینے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے ارشادات اس باب میں بہت سطحی ہیں، ان کی نقاد نگاہیں اس مبحث کی گہرائیوں سے کافی ناآشنا ہیں، مولانا مودودی صاحب جیسے معتدل مزاج کی طویل مصاحبت بھی مولانا پھلواروی پر کوئی اثر نہیں کرسکی۔ میں اس وقت مولانا کے ارشادات پر تنقید نہیں کرنا چاہتا بلکہ امید رکھتا ہوں کہ مولوی فاضل کی تیاری والے حکیم اشرف اور مولوی عبدالغفار حسن صاحب حق گوئی کا فرض ادا فرمانے کی کوشش فرمائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ جماعت اسلامی کی ہمدردیاں انھیں اظہارِ حق سے نہیں روکیں گی۔ ؎

ہم اگر کہیں گے تو شکایت ہوگی

اگر یہ حضرات خاموش رہے تو کسی اہلِ حدیث کو قلم اٹھانا پڑے گا۔

مولانا پھلواروی سے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دوسری جماعت کے معتقدات نقل کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ ان کے مستندات سے نقل کیے جائیں، اس معاملے میں روایت بالمعنی کی طغیانی بسا اوقات سچائی کو بہا لے جاسکتی ہے۔ ایک مخصوص خیال ذہن میں رکھ لینے کے بعد مخالف کے ساتھ انصاف کرنا بیحد مشکل ہے۔ مولانا پھلواروی نے میزان تو ہاتھ میں لی ہے مگر محترم کا ہاتھ لسان المیز ان پر نہیں پڑا، اس لیے وزن قریباً سارا ہی غلط ہوا ہے۔ مولانا نے حدیث کی حمایت میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی نہ تو وجہ حجیت کی صراحت ہے اور نہ ان خیالات میں تحقیق و رسوخ کا اثر۔ اور تصویر کے

---

[1] **صحيح**. مسند أحمد (٤/ ١٣٠)

دوسرے رخ میں جس انصاف کا دعویٰ فرمایا گیا ہے وہ بھی بے انصافی کے مترادف ہے، اس لیے اپنے خیالات جو بھی ہوں ان کی اشاعت کا تو ہر ایک کو حق حاصل ہے لیکن جن خیالات کی نسبت غیر کی طرف ہو ان میں کافی احتیاط ہونی چاہیے۔

تحریکات میں آنا اور نکلنا:

میں اگر اہلِ حدیث کو فقہی تحریک سمجھتا تو اس کے ساتھ لزوم کو تقلید سمجھتا، اسی خیال کی موجودگی میں مجھے حق بھی نہیں کہ میں تقلید سے اختلاف کروں۔ میں اس مسلک کو ترک کرنے والوں کی تعریف کرتا لیکن میری نگاہ میں اس حرکت کی نوعیت ہی دوسری ہے۔ اسی لیے میں نے احباب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اہلِ حدیث کو چھوڑتے وقت غور کریں کہ ان کا یہ سفر مفید بھی ہوگا یا نہیں؟ جن مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ دوسری تحریک میں جارہے ہیں وہ ممکن ہے تھوڑی سی توجہ سے یہاں بھی میسر آجائیں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نقل وحرکت مزید نقصان کا موجب ہو، وہ مقاصد بھی مفقود ہونے لگیں جو حاصل ہو چکے ہیں۔ میرا تجربہ یہی ہے کہ ہمارے دوست کچھ لینے کی بجائے یا جو کچھ مل چکا ہے اس سے بھی دست بردار ہوجاتے ہیں۔ وہ دوسرے اداروں میں جا کر احساسِ کمتری کے عادی ہوجاتے ہیں، سنن پر عمل کو ترک ہی نہیں کرتے بلکہ اس میں حقارت محسوس کرتے ہیں۔ قرآن پر عبور سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴾ [الشعراء: ٧٤] کا نظریہ داء الامم کا حکم رکھتا ہے، مگر یہاں نئے آبا کی تقلید کا نام تحقیق رکھ لیا جاتا ہے، تنقید کے لیے تختۂ مشق صرف اسلاف کرام رہ جاتے ہیں۔

میں ایسے دوستوں کو جانتا ہوں جو پہلے کانگرسی، سوشلسٹ، خاکسار اور لیگی تھے اور اس کے بعد وہ ایک زقند لگا کر جماعت اسلامی میں آ گئے، اور انھیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ انھوں نے کتنے تھوڑے عرصہ میں کس قدر متضاد سمتوں کا سفر طے کیا؟ اور عجیب یہ ہے کہ انھیں ہر جگہ شرح صدر حاصل تھا۔ حال ہی میں تھوڑا عرصہ ہوا بمبئی سے ایک مخلص دوست تشریف لائے، وہ سخت لیگی تھے، چند دنوں کے بعد تشریف لائے تو

انھوں نے پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ مجھے خاکسار تحریک کی دعوت دی، قریباً پندرہ بیس دن کے بعد تشریف لائے، پھر یہ پختہ خاکسار نہ تھے بلکہ اس فکر میں تھے کہ لیگ کے شجرہ طیبہ کی شاخوں میں انھیں آشیانہ بنانے کی جگہ مل جائے، اور اس کے ساتھ بحمداللہ پختہ اور مخلص اہلِ حدیث بھی تھے، حالانکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ خاکساریت کا پیوند اہلِ حدیث کے ساتھ قطعاً نہیں لگ سکتا۔

ایک اہلِ حدیث یا حنفی، احرار میں، کانگرس وغیرہ میں کام کر سکتا ہے کیونکہ وہاں ان مقاصد سے تصادم نہیں جو تحریک اہلِ حدیث، حنفیت میں جوہری حیثیت رکھتے ہیں لیکن ایک حنفی کے لیے مشکل ہے کہ وہ نجد کی تحریک کے قالب میں فٹ آ سکے حالانکہ وہ اجتماعی تحریک ہے۔ ایک بریلوی کے لیے مشکل ہے کہ سید شہید رحمہ اللہ کی تحریک میں کام کر سکے حالانکہ وہ تحریک بھی اجتماعی ہے۔ احرار، کانگرس، جمعیۃ العلماء مل کر کام کرتی رہیں حالانکہ تینوں کا مزاج بظاہر اجتماعی ہے۔ اس لیے اشتراکِ عمل اور اس کے ترک میں اصل چیز مقاصد ہیں، تحریک کی اجتماعی حیثیت کو اس میں چنداں دخل نہیں۔ اگر لادینی تحریک کا مطلب یہ ہے کہ دین اس میں بطور ذاتی کے داخل نہیں، دین کی مخالفت اور موافقت دونوں اس کے پروگرام سے خارج ہیں تو ایسی تحریک میں اہلِ حدیث حنفی سب کام کر سکتے ہیں، کیونکہ وہاں ظاہراً تصادم نہیں، اور اگر لادینیت جزو تحریک ہو جیسے اشتراکیت، اس میں کوئی مسلمان کام نہیں کر سکتا، اس کا تعلق چاہے کسی دینی جماعت سے ہو۔ اصل چیز مقاصد میں تصادم یا عدم تصادم ہے، تحریک کی اجتماعیت یا لا اجتماعیت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اختلافِ مقاصد کے باوجود اگر یہ نقل وحرکت جاری رہے گی تو ہم کہیں یا نہ کہیں دنیا ہمیں ''كُلُّ جَدِيدٍ لَذِيذٌ'' کی پھبتی سے معاف نہیں کرے گی۔

میں امید کرتا ہوں کہ اب اس موضوع پر یہ آخری گزارشات ہوں گی۔

ابوالخیر محمد اسماعیل سلفی

گوجرانوالہ